ماہنامہ السنۃ ،جہلم شمارہ نمبر 38

محرم الحرام 1432ھ ،الموافق دسمبر 2011ء

1۔	اللہ تعالیٰ عرش پر ہے	غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری	02
2۔	امام غائب !	غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری	08
3۔	قبروں پر چراغاں کرنا بدعت ہے	ابوعبداللہ صارم	22
4۔	حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے	حافظ ابو یحییٰ نورپوری	41
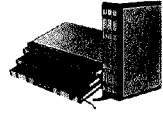
تمام ائمہ مسلمین کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مستوی ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے ۔ہمارے دور میں محمد بن حسن شیبانی جہمی (۱۳۱۔۱۹۱ھ)، بشر المریسی معتزلی حنفی (م : ۲۱۸ھ)، جہم بن صفوان (م : ۱۲۸ھ)، ابوالہذیل الحلاف (۱۱۵۔۲۳۵ھ)، جعد بن درہم (م : ۱۱۸ھ)، ثمامہ بن اشرس (م : ۲۱۳ھ) اور اسکافی معتزلی (م : ۲۴۰ھ) کی ذریت کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ یہ گمراہ جہمیوں کا عقیدہ ہے۔

شیخ الاسلام ثانی ، عالم ربانی ، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) فرماتے ہیں :

قالت الجهميّة : إنّ الله في كلّ مكان ، وقال إخوانهم : ليس في العالم ولا خارج العالم ، ولا متّصلا به ولا منفصلا عنه ، ولا مباينا له ولا محادثا له ، ولا فوقه ولا خلفه ، ولا أمامه ولا وراءه .

''جہمیہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ میں ہے۔جبکہ ان کے بھائیوں (معطلہ) نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کائنات کے اندر ہے نہ باہر، نہ کائنات سے متصل ہے نہ جدا، نہ کائنات سے علیحدہ ہے نہ اس سے جُڑا ہوا، نہ کائنات کے اوپر ہے نہ اس کے نیچے، نہ اس کے آگے ہے نہ پیچھے۔'' (الصواعق المرسلة في الردّ على الجهميّة والمعطّلة لابن القيم : ۱۱۹۲۔۱۱۹۳)

یہ انتہائی گمراہ کن عقیدہ ہے جو اہل سنت کے عقیدہ کے سراسر مخالف و منافی ہے۔قرآن و حدیث، اجماعِ امت اور فطرتِ سلیمہ کے بھی خلاف ہے۔علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

إنّه لا يعلم آية من كتاب الله ولا نصّ صحيح عن رسول الله في باب أصول الدين ، اجتمعت الأمّة على خلافه ، وغاية ما يقدّر اختلاف الأمّة فى القول بموجبه ، ومن له خبرة بمذاهب الناس وأقوال السلف يعلم قطعا أنّ

الأمّة اجتمعت على القول به قبل ظهور المخالف ، كما اجتمعت بأنّ اللّه مستو على عرشه فوق سماواته .

''اصولِ دین کے بارے میں کتاب اللہ کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس کے خلاف پوری امت جمع ہوگئی ہو۔ہاں ، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ امت اس کے مفہوم کو سمجھنے میں مختلف ہوگئی ہو۔جس شخص کو لوگوں کے مذاہب اور سلف کے اقوال کے بارے میں پختہ علم ہے ، وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ اس نظریے کے مخالفین کے ظہور سے پہلے امتِ مسلمہ اس بات پر متفق تھی۔ اسی طرح امتِ مسلمہ اس بات پر بھی متفق تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔''

(الصواعق المرسلة لابن القيم : ٨٣٣)

اس اجماعِ امت کے خلاف جہمیہ اور معطلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ وہ اس مسئلہ میں موجود قرآن وحدیث کی واضح نصوص کی بودی تاویلات کرتے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث سے ایسا عقیدہ تراشنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے خلاف امتِ مسلمہ کا اجماع ہو چکا ہے۔ان سے سوال ہے کہ کیا امتِ محمدیہ گمراہی اور ضلالت پر جمع ہوسکتی ہے؟ یا یہ جہمی گمراہی اور غلطی پر ہیں؟ جواب یہ ہے کہ امتِ محمدیہ کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔قرآن و حدیث حق ہے ، امت کا اجماع بھی حق ہے۔حق کبھی حق کے مخالف نہیں ہوسکتا، لہٰذا جہمیہ و معطلہ باطل پر ہیں اور ائمہ سلف حق پر ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جہمیوں کی تین قسمیں ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١۔٧٢٨ھ) بیان فرماتے ہیں :

وكذلك الجهميّة على ثلاث درجات ؛ فشرّها الغالية الذين ينفون أسماء اللّه وصفاته ، وإن سمّوه بشيء من أسمائه الحسنى قالوا : هو مجاز ، فهو في الحقيقة عندهم ليس بحيّ ولا عالم ولا قادر ولا سميع ولا بصير ولا

متكلّم ولا يتكلّم .... والدرجة الثانية من التجهّم هو تجهّم المعتزلة ونحوهم الذين يقرّون بأسماء اللّٰه الحسنٰى في الجملة ، لكن ينفون صفاته ، وهم أيضا لا يقرّون بأسماء اللّٰه الحسنٰى كلّها على الحقيقة ، بل يجعلون كثيرا منها على المجاز ، وهؤلاء هم الجهميّة المشهورون ، وأمّا الدرجة الثالثة فهم الصفاتيّة المثبتون المخالفون للجهمية ، لكن فيهم نوع من التجهّم ، كالذين يقرّون بأسماء اللّٰه وصفاته فى الجملة ، لكن يردّون طائفة من أسمائه وصفاته الخبريّة ، أو غير الخبريّة ، ويتأوّلونها كما تأوّل الأوّلون صفاته كلّها .

''اسی طرح جہمیہ کے بھی تین درجات ہیں۔ ان میں سے شریر ترین وہ غالی جہمی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی نفی کرتے ہیں۔ اگر وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی نام لیں بھی تو اسے مجاز کہتے ہیں۔ درحقیقت ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نہ زندہ ہے، نہ عالم ہے، نہ قادر ہے، نہ سمیع ہے، نہ بصیر ہے، نہ متکلم ہے نہ وہ کلام کرتا ہے۔۔۔۔۔ دوسرا درجہ جہمیوں کا وہ ہے جو معتزلہ کے زیر اثر ہے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو فی الجملہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن صفاتِ باری تعالیٰ کے انکاری ہیں۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ کو مبنی بر حقیقت بھی نہیں سمجھتے بلکہ ان میں اکثر کو مجاز پر محمول کرتے ہیں (یعنی ان کی تاویلات کرتے ہیں)۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مشہور جہمی ہیں۔ تیسرے درجے میں وہ لوگ آتے ہیں جو صفاتِ باری تعالیٰ کا اثبات کرنے کے حوالے سے تو جہمیوں کے مخالف ہیں لیکن ایک طرح سے وہ بھی جہمی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا فی الجملہ اقرار تو کرتے ہیں لیکن اس کے کئی اسماء اور کئی خبری و غیر خبری صفات کو ردّ کرتے ہوئے ان میں وہی تاویلات کرتے ہیں جو پہلے درجات والے جہمیوں نے تمام صفات میں کی تھیں۔'' (الفتاوی الکبرٰی لابن تیمیة : ٣٦٩/٦)

ائمہ دین اور سلف صالحین اللہ تعالیٰ کو عرش پر ہی مانتے تھے جیسا کہ اہل سنت کے جلیل

القدر امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ (م : ۲۰۶ھ) سے ایک سائل نے پوچھا : أيّ شيء الجهميّة؟ (جہمیہ کیا ہیں؟)، انہوں نے اپنا سر جھکایا، پھر سر اٹھا کر فرمایا:

من توهّم ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰهٰ : ٥) خلاف ما في قلوب العباد ، فهو جهميّ . ”جس نے فرمانِ باری تعالیٰ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰهٰ : ٥) کا معنیٰ وہ سمجھا جو بندوں کے دلوں میں موجود معنیٰ (علوِ باری تعالیٰ) کے خلاف ہے ، وہ جہمی ہے۔“(مسائل الإمام أحمد لأبی داوٗد : ص٢٦٨، وفي نسخة، الرقم : ١٧٣٣، خلق أفعال العباد للبخاري : ص ١١، وسندهٗ حسنٌ)

اس روایت کا راوی شاذ بن یحیٰی ”موثق“ ہے۔ اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں اسے پہچانتا ہوں، پھر آپ نے اس کا ذکر بالخیر فرمایا۔
(سوالات أبي داوٗد : ٤٤٢)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ”شیخ صدوق“ کہا ہے۔(سیر أعلام النبلاء للذهبي : ٤٣٤/١٠)

اس قول کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١۔٧٢٨ھ) فرماتے ہیں :

فهذا مذهب المسلمين وهو الظاهر من لفظ ﴿اسْتَوٰى﴾ عند عامّة المسلمين الباقين على الفطرة السالمة التي لم تنحرف إلى تعطيل ولا إلى تمثيل ، وهذا هو الذي أراده يزيد ابن هارون الواسطي المتّفق على إمامته وجلالته وفضله ، وهو من أتباع التابعين ، حيث قال : من زعم أنّ الرحمٰن على العرش استوى خلاف ما يقرّ في نفوس العامّة فهو جهميّ ، فإنّ الذي أقرّه اللّٰه تعالى في فطر عباده وجبلهم عليه أنّ ربّهم فوق سماواته .....

”مسلمانوں کا یہی مذہب ہے اور ان مسلمانوں کے نزدیک لفظِ ﴿اسْتَوٰى﴾ سے یہی ظاہر ہوتا ہے جو تعطیل و تمثیل کی طرف منحرف نہ ہونے والی فطرت سلیمہ پر قائم ہیں۔ یہی مراد تھی امام یزید بن ہارون واسطی رحمہ اللہ کی جن کی امامت و جلالت اور فضیلت و منقبت پر

مسلمانوں کا اتفاق ہے اور وہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے فرمانِ باری تعالیٰ کی ایسی تفسیر کرتا ہے جو عام لوگوں کے دلوں میں موجود نظریے کے خلاف ہے، وہ جہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی فطرت میں یہ بات ودیعت کر دی ہے کہ ان کا ربّ آسمانوں سے اوپر ہے۔''

(الفتاوی الکبریٰ لابن تیمیة : ۱۵۳/۵

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) اسی قول کے بارے میں فرماتے ہیں:

والعامّة، مراده بهم جمهور الأمّة وأهل العلم.

''امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے عام لوگوں سے مراد جمہورِ امت اور اہل علم لیے ہیں۔''

(مختصر العلوّ للذهبي : ۱۶۸)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ امام یزید بن ہارون کے قول سے متعلق مزید فرماتے ہیں:

وهذا الذی قاله هو الحقّ، لأنّه لو کان معناه علی خلاف ما يقرّ في القلوب السليمة من الأهواء، والفطرة الصحيحة من الأدواء، لوجب علی الصحابة والتابعين أن يبيّنوا أنّ استواء اللّٰه علی عرشه علی خلاف ما فطر اللّٰه عليه خلقه، وجبلهم علی اعتقاده، اللّٰهم إلّا أن يکون فی بعض الأغبياء من يفهم من أنّ اللّٰه في السماء أو علی العرش أنّه محيّز وأنّهما حيّز له، وأنّ العرش محيط به، فکيَّف ذلک فی ذهنه وبفهمه، کما بَدَر فی الشاهد من أيّ جسم کان، علی أيّ جسم، فهذا حال جاهل، وما أظنّ أنّ أحدا اعتقد ذلک من العامّة ولا قاله، وحاشا يزيد بن هارون أن يکون مراده هذا، وإنّما مراده ما تقدّم.

''یہ بات جو امام یزید بن ہارون نے کہی ہے، حق ہے، کیونکہ اگر عرش پر مستوی ہونے کا اصل معنیٰ، ہوائے نفس سے سالم دلوں میں اور بیماریوں سے پاک فطرتوں میں موجود معنیٰ کے خلاف ہوتا تو صحابہ و تابعین پر لازم ہوتا کہ وہ یہ وضاحت فرماتے کہ اللہ

تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا وہ معنیٰ نہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت و جبلت میں رکھا ہے۔ ہاں ، یہ ہو سکتا ہے کہ بعض غبی ذہن کے لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے آسمانوں سے اوپر یا اپنے عرش پر ہونے سے مراد یہ ہے کہ آسمان اور عرش اللہ تعالیٰ کی پناہ ہیں یا عرش اسے گھیرے ہوئے ہے۔ انہوں نے اپنے ذہن اور فہم میں اس کی ایک کیفیت بنا لی ہے جیسا کہ دیکھنے والے کو ایک جسم کے دوسرے جسم کے اوپر ہونے سے ذہن میں آتی ہے۔ یہ ایک جاہل کی حالت ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ عام مسلمانوں میں سے بھی کسی نے یہ بات سوچی یا کہی ہو چہ جائیکہ امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ کی یہ مراد ہو۔ بلاشبہ ان کی مراد وہی ہے جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔'' (کتاب العرش للذهبي : ٢٦٣،٢٦٢/٢)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ کا قول ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

قال شيخ الإسلام : والذى تقرّر فى قلوب العامّة هو ما فطر اللّٰه تعالى عليه الخليقة ، من توجهها إلى ربّها تعالى عند النوازل والشدائد والدعاء والرغبات إليه تعالى نحو العلوّ ، لا يلتفت يمنة ولا يسرة من غير موقف وقفهم عليه ، ولكنّ فطرة اللّٰه التى فطر الناس عليها ، وما من مولود إلّا وهو يولد على هذه الفطرة ، حتّى يجهّمه وينقله إلى التعطيل من يقيّض له .

''شیخ الاسلام (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کے دلوں میں وہی بات سمائی ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی فطرت میں ودیعت کی ہے ، یعنی وہ مصیبتوں اور سختیوں ، دعاؤں اور اللہ کی طرف رغبت کے مواقع پر اوپر کی طرف توجہ کرتی ہے۔ وہ دائیں بائیں نہیں دیکھتی ، حالانکہ اس حوالے سے اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ البتہ یہ اس فطرت کا تقاضا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ ہر بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ الا یہ کہ اسے اس کا کوئی ساتھی جہمی یا معطل نہ بنا دے۔''

(اجتماع الجيوش الإسلامية على غزو المعطّلة والجهميّة لابن القيم، ص : ٢١٤)

متواتر احادیث کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ امام مہدی کا نام محمد بن عبد اللہ ہو گا، وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے، قربِ قیامت ان کا ظہور ہو گا اور وہ پوری دنیا میں عدل وانصاف کے پھریرے لہرائیں گے۔

ائمہ دین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بارے میں مروی احادیث صحیح اور قابل حجت ہیں۔اس حوالے سے چند ایک ائمہ دین کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

① امام ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد عُقَیلی رحمہ اللہ (م : ۳۲۲ھ) فرماتے ہیں: وفي المهديّ أحاديث جيد . ''امام مہدی کے بارے میں عمدہ احادیث موجود ہیں۔''(الضعفاء الكبير للعقيلي : ٢٥٤/٣)

② امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ بیہقی رحمہ اللہ (۳۸۴۔۴۵۸ھ) فرماتے ہیں: **والأحاديث في التنصيص على خروج المهديّ أصحّ إسنادا ، وفيها بيان كونه من عترة النبي صلّى الله عليه وسلّم .**

''امام مہدی کے خروج کے بارے میں احادیث صحیح سند والی ہیں۔ ان میں یہ وضاحت بھی ہے کہ امام مہدی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے ہوں گے۔''

(تاريخ ابن عساكر : ٥١٧/٤٧، تهذيب التهذيب لابن حجر : ١٢٦/٩)

③ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١۔٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

والأحاديث التي يحتجّ بها على خروج المهديّ أحاديث صحيحة .

''جن احادیث سے امام مہدی کے خروج پر دلیل لی جاتی ہے، وہ احادیث صحیح ہیں۔''

(منهاج السنة لابن تيمية : ٩٥/٤)

④ شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) نے فرمایا:

وهذه الأحاديث أربعة أقسام ؛ صحاح وحسان وغرائب وموضوعة .

''یہ احادیث چار قسم کی ہیں جن میں سے صحیح بھی ہیں، حسن بھی ہیں، غریب بھی ہیں اور موضوع بھی۔''(المنار المنيف لابن القيم، ص : ١٤٨)

⑤ علامہ ابو عبداللہ محمد بن جعفر بن ادریس کتانی رحمہ اللہ (۱۲۷۴۔۱۳۴۵ھ) اس بارے میں تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد خلاصہ یوں بیان فرماتے ہیں :

والحاصل أنّ الأحاديث الواردة في المهديّ المنتظر متواترة .

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ مہدی منتظر کے بارے میں وارد احادیث متواتر ہیں۔''

(نظم المتناثر في الحديث المتواتر للكتاني، ص : ٤٧)

⑥ علامہ شمس الدین ابو العون محمد بن احمد بن سالم سفارینی رحمہ اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۸۸ھ) لکھتے ہیں : **من أشراط الساعة التي وردت بها الأخبار وتواترت في مضمونها الآثار .** ''امام مہدی کا ظہور قیامت کی ان علامات میں سے ہے جن کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور جن کے بارے میں متواتر آثار مروی ہیں۔''

(لوامع الأنوار البهيّة للسفاريني : ٧٠/٢)

⑦ علامہ محمد امین بن محمد مختار شنقیطی رحمہ اللہ (۱۳۲۵۔۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں :

وقد تواترت الأخبار واستفاضت بكثرة روايتها عن المختار صلّى الله عليه وسلّم بمجيء المهديّ ، وأنّه من أهل بيته .

''امام مہدی کے آنے اور ان کے نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت میں سے ہونے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے متواتر و مشہور احادیث مروی ہیں۔''

(الجواب المقنع المحرّر للشينقيطي، ص : ٣٠)

یہ تو علمائے کرام اور ائمہ دین کے نزدیک امام مہدی کے متعلق وارد ہونے والی

احادیث کا حال تھا۔اب ان میں سے چند احادیث وآثار ملاحظہ فرمائیں :

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لَوْلَا يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمٌ لَّطَوَّلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَبْعَثَ رَجُلًا مِّنِّي ، أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي ، يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي ، وَاسْمُ أَبِيهِ اسْمَ أَبِي»

''اگر دنیا کے ختم ہونے میں ایک دن بھی باقی ہوا (اور امام مہدی نہ آئے) تو اللہ تعالیٰ اسی دن کو لمبا کر دے گا حتی کہ میری نسل سے یا میرے اہل بیت سے ایک آدمی کو مبعوث کرے گا جس کا نام میرے نام پر اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام پر ہو گا۔''(مسند الإمام أحمد : ۳۷۷/۱، ۴۳۰، سنن أبي داوٗد : ۴۲۸۲، سنن الترمذي : ۲۲۳۰، وقال : حسن صحيحٌ، وسندهٗ حسنٌ)

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : **ستكون فتنة يحصل الناس منها كما يحصل الذهب فى المعدن ، فلا تسبّوا أهل الشام ، وسبّوا ظلمتهم ، فإنّ فيهم الأبدال ، وسيرسل اللّٰه إليهم سيبا من السماء فيغرقهم ، حتّى لو قاتلتهم الثعالب غلبتهم ، ثمّ يبعث اللّٰه عند ذلک رجلا من عترة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم فى اثنى عشر ألفا إن قلّوا وخمسة عشر ألفا إن كثروا ، إمارتهم أو علامتهم أمت أمت على ثلاث رأيات ، يقاتلهم أهل سبع رايات ، ليس من صاحب رأية إلّا و هو يطمع بالملک ، فيقتتلون و يهزمون ، ثمّ يظهر الهاشمىّ ، فيردّ اللّٰه إلى الناس إلفتهم ونعمتهم ، فيكونون على ذلک حتّى يخرج الدجّال.**

''عنقریب فتنہ نمودار ہوگا۔لوگ اس سے ایسے کندن بن کر نکلیں گے جیسے سونا بھٹی میں کندن بنتا ہے۔تم اہل شام کو بُرا بھلا نہ کہو بلکہ ان پر ظلم کرنے والوں کو بُرا بھلا کہو کیونکہ اہل شام میں ابدال ہوں گے۔اللہ تعالیٰ ان پر آسمان سے بارش نازل کرے گا اور ان کو غرق کر دے گا۔اگر لومڑیوں جیسے مکار لوگ بھی ان سے لڑیں گے تو وہ ان پر غالب آ

جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے خاندان میں سے ایک شخص کو کم از کم بارہ ہزار اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار لوگوں میں بھیجے گا۔ ان کی علامت أمت أمت ہوگی ۔ وہ تین جھنڈوں پر ہوں گے۔ ان سے سات جھنڈوں والے لڑائی کریں گے۔ ہر جھنڈے والا بادشاہت کا طمع کرتا ہوگا۔ وہ لڑیں گے اور شکست کھائیں گے، پھر ہاشمی غالب آ جائے گا اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف ان کی الفت اور محبت و مودّت لوٹا دے گا۔ وہ دجّال کے نکلنے تک یونہی رہیں گے۔'' (المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٥٩٦/٤، ح : ٨٦٥٨، وسندهٗ صحيحٌ)

اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

احادیث و آثار کے خلاف رافضی شیعوں نے اپنا ایک ''امام غائب'' بنا رکھا ہے۔ وہ ان کا ''مہدیٔ منتظر'' ہے۔ اس کا نام محمد بن حسن عسکری ہے۔

اس بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) فرماتے ہیں :

المهديّ الذي يكون في آخر الزمان ، وهو أحد الخلفاء الراشدين والأئمّة المهديين ، وليس بالمنتظر الذي تزعم الروافض ، وترتجي ظهوره من سرداب في سامراء ، فإنّ ذاک ما لا حقيقة له ، ولا عين ولا أثر .

''اس سے مراد وہ مہدی ہیں جو آخر زمانے میں ہوں گے۔ وہ ایک خلیفہ راشد اور ہدایت یافتہ امام ہوں گے۔ ان سے مراد وہ مہدیٔ منتظر نہیں جس کے بارے میں رافضی لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور سامراء کے ایک مورچے سے اس کے ظہور کا انتظار کرتے ہیں۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں، نہ اس کے بارے میں کوئی روایت واثر ہی موجود ہے۔''

(النهاية في الفتن والملاحم لابن كثير : ٤٩/١)

نیز فرماتے ہیں : **فيخرج المهديّ ، ويكون ظهوره من بلاد المشرق ، لا من سرداب سامراء ، كما تزعمه جهلة الرافضة من أنّه موجود فيه الآن ، وهم ينتظرون خروجه في آخر الزمان ، فإنّ هذا نوع من الهذيان ،**

وقسط كثير من الخذلان ، وهوس شديد من الشيطان ، إذ لا دليل عليه ولا برهان ، لا من كتاب ولا من سنّة ولا من معقول صحيح ولا استحسان .

''امام مہدی نکلیں گے۔ ان کا ظہور مشرق کے علاقے سے ہوگا ، سامراء کے مورچے سے، جاہل رافضیوں کا خیال ہے کہ وہ امام مہدی اس غار میں اب موجود ہیں اور وہ آخری زمانے میں ان کے خروج کے منتظر ہیں۔ یہ ایک قسم کی بے وقوفی ، بہت بڑی رسوائی اور شیطان کی طرف سے شدید ہوس ہے کیونکہ اس بات پر کوئی دلیل و برہان نہیں ، نہ قرآن سے ، نہ سنتِ رسول سے ، نہ عقل سے اور نہ قیاس سے۔''(النہایة في الفتن والملاحم لابن کثیر :۱/۵۵)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں : وهذا الحديث فيه دلالة على أنّه لا بدّ من وجود اثني عشر خليفة عادلا ، وليسوا هم بأئمّة الشيعة الأثني عشر ، فإنّ كثيرًا من أولئك لم يكن إليهم من الأمر شيء ، فأمّا هؤلاء فإنّهم يكونون من قريش ، يَلُون فيعدلون ، وقد وقعت البشارة بهم في الكتب المتقدّمة ، ثمّ لا يشترط أن يكون متتابعين ، بل يكون وجودهم في الأمّة متتابعا ومتفرّقا ، وقد وُجد منهم أربعة على الولاء ، وهم أبو بكر ، ثمّ عمر ، ثمّ عثمان ، ثمّ عليّ ، رضي اللّه عنهم ، ثمّ كانت بعدهم فترة ، ثمّ وُجِد منهم ما شاء اللّه ، ثمّ قد يُوجَد منهم مَن بقي في وقت يعلمه اللّه ، ومنهم المهديّ الذي يطابق اسمه اسم رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم ، وكنيته كنيته ، يملأ الأرض عدلا وقسطا ، كما ملئت جورًا وظلما .

''اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بارہ عادل خلیفہ ضرور ہوں گے۔ان سے مراد شیعوں کے بارہ امام نہیں۔کیونکہ ان میں سے اکثر کے پاس کوئی حکومت تھی ہی نہیں جبکہ جن بارہ خلفاء کا حدیث میں ذکر ہے ، وہ قریش سے ہوں گے جو حاکم بن کر عدل کریں گے۔ان کے بارے میں پہلی کتابوں میں بھی بشارت موجود ہے۔ پھر ان کا پے در پے آنا

ضروری نہیں بلکہ امت میں ان کا وجود پے در پے بھی ہوگا اور وقفے وقفے سے بھی۔ ان میں سے چار پے در پے آئے ۔ وہ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کے بعد وقفہ ہوا اور پھر جتنے اللہ نے چاہے آئے ، پھر ان میں سے جتنے باقی ہیں ، وہ اللہ کے علم میں وقتِ مقررہ پر ضرور آئیں گے۔ انہی میں سے امام مہدی ہوں گے جن کا نام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اور کنیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت کے مطابق ہوگی۔ وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔''

(تفسیر ابن کثیر : ٥٦٩،٥٦٨/٤، تحت سورة النور : ٥٥)

ایک مقام پر یوں فرماتے ہیں : **ولا تقوم الساعة حتّى تكون ولايتهم لا محالة ، والظاهر أنّ منهم المهديّ المبشّر به في الأحاديث الواردة بذكره أنّه يُواطىءُ اسمُه اسم النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، واسم أبيه اسم أبيه ، فيملأ الأرض عدْلا وقِسْطًا ، كما ملئت جَوْرا وظُلْمًا ، وليس هذا بالمنتظر الذى يتوهّم الرافضة وجوده ثمّ ظهوره من سرداب سَامرّاء ، فإنّ ذلک ليس له حقيقة ولا وجود بالكلّيّة ، بل هو من هَوَسِ العقول السخيفة ، وَتَوَهُّم الخيالات الضعيفة ، وليس المراد بهؤلاء الخلفاء الأثني عشر الأئمّة الأثني عشر الذين يعتقد فيهم الإثنا عشريّة من الروافض ، لجهلهم وقلّة عقلهم ، وفي التوراة البشارة بإسماعيل عليه السلام ، وأنّ اللّٰه يقيم من صُلْبِه اثني عشر عظيما ، وهم هؤلاء الخلفاء الإثنا عشر المذكورون فى حديث ابن مسعود ، وجابر بن سَمُرة ، وبعض الجهلة ممّن أسلم من اليهود إذا اقترن بهم بعض الشيعة يوهّمونهم أنّهم الأئمّة الإثنا عشر ، فيتشيّع كثير منهم جهلا وسَفَها ، لقلّة علمهم وعلم من لقّنهم ذلک بالسنن الثابتة عن النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم .**

''بلاشبہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک ان بارہ خلیفوں کی حکومت قائم

نہ ہو جائے۔ظاہر ہے کہ انہی میں سے امام مہدی ہوں گے جن کے بارے میں احادیث میں یہ موجود ہے کہ ان کا نام نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے مطابق (محمد) اور ان کے والد کا نام آپ ﷺ کے والد کے نام کے مطابق (عبد اللہ) ہوگا۔ وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔امام مہدی سے مراد وہ امام منتظر نہیں جس کے بارے میں رافضی لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اب موجود ہے اور سامراء کے مورچے سے اس کا ظہور ہوگا۔اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں نہ اس کا قطعاً کوئی وجود ہے بلکہ یہ گندی ذہنیت کی ہوس اور کمزور خیالات کا وہم ہے۔ان بارہ خلفاء سے مراد وہ بارہ امام نہیں جن کا اثناعشری رافضی اپنی جہالت اور کم علمی کی بنا پر اعتقاد رکھتے ہیں۔تورات میں اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ یہ بات بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے بارہ عظیم لوگ پیدا کرے گا۔ یہ وہی بارہ خلفاء ہیں جن کا ذکر سیدنا ابن مسعود اور سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ یہودیت سے توبہ کر کے اسلام لانے والے بعض جاہل لوگوں سے جب کوئی شیعہ ملتا ہے تو وہ ان کو دھوکا دیتا ہے کہ ان سے مراد بارہ امام ہیں۔ان میں سے اکثر جہالت اور بے وقوفی کی بنا پر شیعہ ہو جاتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ خود بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت احادیث کے بارے میں کم علم ہوتے ہیں اور ان کو ایسی تلقین کرنے والے بھی کم علم ہوتے ہیں۔'' (تفسیر ابن کثیر : ۵۰٤/۳، تحت سورة المائدة : ۱۲)

امامیہ شیعوں کے ''امام غائب'' کے بارے میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأمّا الرافضة الإماميّة فلهم قول رابع ، وهو أنّ المهديّ هو محمّد بن الحسن العسكريّ المنتظر من ولد الحسين بن علی ، لا من ولد الحسن ، الحاضر فی الأمصار ، الغائب عن الأبصار ، الذی يورث العصا ، ويختم القضاء ، دخل سرداب سامراء طفلا صغيرا ، من أكثر من خمس مئة سنة ، فلم تره بعد ذلک عين ، ولم يحس فيه بخبر ولا أثر ، وهم ينتظرونه كلّ يوم يقفون بالخيل

على باب السرداب ، ويصيحون به أن يخرج إليهم ، اخرج يا مولانا ، اخرج يا مولانا ، ثمّ يرجعون بالخيبة والحرمان ، فهذا دأبهم ودأبه ، ولقد أحسن من قال : ما آن للسرداب أن يلد الذي كلمتموه بجهلكم ما آنا

فعلى عقولكم العفاء ، فإنــكم ثلّثتم العنقاء والغيـــلانا

ولقد أصبح هؤلاء عارا على بني آدم وضحكة يسخر منها كلّ عاقل .

''امامی رافضیوں کی ایک چوتھی بات یہ ہے کہ امام مہدی کا نام محمد بن حسن عسکری ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ وہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی نسل سے ہے، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی نسل سے نہیں۔ وہ آبادیوں میں موجود ہے لیکن آنکھوں سے غائب ہے۔ وہ دنیا پر اپنی حکومت قائم کرے گا۔ وہ چھوٹا سا بچہ تھا جب وہ سامراء کے مورچے میں داخل ہوا تھا۔ یہ پانچ سو سال (اور اب سے کوئی بارہ سو سال) پہلے کی بات ہے۔ اس کے بعد نہ کسی آنکھ نے اسے دیکھا ہے نہ اس کے بارے میں کوئی خبر ملی ہے نہ اس کا کوئی نشان ملا ہے۔ امامی شیعہ ہر روز مورچے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرتے ہیں اور اسے آوازیں لگاتے ہیں کہ اے ہمارے مولیٰ تُو نکل ، اے ہمارے مولا تُو نکل۔ پھر وہ ناکامی و نامرادی کے ساتھ واپس لوٹ جاتے ہیں۔ یہ ان کی اور ان کے امام منتظر کی روداد ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مَا آنَ لِلسِّرْدَابِ أَنْ يَّلِدَ الَّـذِي كَلَّمْتُمُوهُ بِجَهْلِكُمْ مَّا آنَـا

فَعَلٰى عُقُولِكُمُ الْعَفَاءُ، فَإِنَّكُمْ ثَلَّثْتُمُ الْعَنْقَـاءَ وَالْغِيْـلَانَا

[ابھی وقت نہیں آیا، ابھی وقت نہیں آیا کہ مورچے سے وہ شخص پیدا ہو جس سے تم اپنی جہالت کی بنا پر باتیں کرتے ہو۔ تمہاری عقلوں پر مٹی پڑ گئی ہے اور تم عنقاء اور غیلان (عربوں کے ہاں دو وہمی و خیالی چیزوں) کو تین کر رہے ہو]۔ یہ لوگ بنی آدم کے لیے باعثِ عار اور ایسے بن گئے ہیں کہ کوئی عقل مند شخص ان کی بیوقوفی پر ہنسے بغیر نہیں رہ

سکتا۔'' (المنار المنيف لابن القيم : ١٥٣)

دراصل عنقاء وہ پرندہ ہے جس کا نام لیا جاتا ہے، لیکن وجود نہیں ملتا۔ اسی طرح غیلان چڑیل کو کہتے ہیں جس کا نام تو ہے لیکن وجود کوئی نہیں، اسی طرح شیعوں کے مہدی اور امام غائب کا نام ہی ہے، وجود کوئی نہیں۔

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدَّهْرِ إِلَّا يَوْمٌ لَّبَعَثَ اللّٰهُ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ بَيْتِي، يَمْلَأُهَا عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا» ''اگر زمانے کا ایک دن بھی باقی رہ گیا (اور امام مہدی نہ آئے) تو اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو ضرور بھیجے گا جو ظلم سے بھری ہوئی زمین کو عدل سے بھر دے گا۔'' (مسند الإمام أحمد : ٩٠/١، سنن أبي داوٗد : ٤٢٨٣، وسندهٗ حسنٌ)

❁ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِي مِنْ وُّلْدِ فَاطِمَةَ» ''امام مہدی میرے خاندان سے، فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی اولاد سے ہوں گے۔''

(سنن أبي داوٗد : ٤٢٨٤، سنن ابن ماجه : ٤٠٨٦، وسندهٗ حسنٌ)

❁ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَمْتَلِئَ الْأَرْضُ ظُلْماً وَّعُدْوَاناً»، قَالَ : «ثُمَّ يَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ عِتْرَتِي، أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، يَمْلَؤُهَا قِسْطاً وَّعَدْلًا، كَمَا مُلِئَتْ ظُلْماً وَّعُدْوَاناً» ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک زمین ظلم و زیادتی کے ساتھ بھر نہ جائے۔ پھر میری نسل یا میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی نکلے گا جو زمین کو اسی طرح عدل و انصاف کے ساتھ بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و زیادتی کے ساتھ بھری ہوئی تھی۔''

(مسند الإمام أحمد : ٣٦/٣، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (٦٨٢٣) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرک : ۵۵۷/۴) نے امام بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی

موافقت کی ہے۔

مسند احمد اور صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِينَ» ''امام مہدی سات سال حکومت کریں گے۔''

(مسند الإمام أحمد : ١٧/٣، صحيح ابن حبان : ٦٨٢٦، وسندهٗ حسنٌ)

ان تمام احادیث کے خلاف رافضیوں کا کہنا ہے کہ مہدی کا نام محمد بن حسن عسکری ہے۔ وہ اس کے نام کی پکار بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں: **يا صاحب الزمان ، الغوث الغوث الغوث ، أدركني أدركني أدركني** وغیرہ۔

یہ لوگ اس کا نام پکارنا جائز نہیں سمجھتے بلکہ المہدی، القائم، المنتظر، صاحب الزمان، صاحب الامر والحاجۃ والخاتم اور صاحب الدار کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کو نقمہ بھی کہا جاتا ہے۔(روضة الكافي للكليني، ص : ١٩٥)

ان کے نزدیک امام مہدی کا نام لینا جائز نہیں۔ ان کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے:

ولا يحلّ ذكره باسمه . ''امام مہدی کا نام لے کر اس کا ذکر کرنا جائز نہیں۔''(أصول الكافي : ٣٣٣/١، الإرشاد، ص : ٣٩٤، إكمال الدين لابن بابويه، ص : ٦٠٨)

جو شیعہ مہدی کا نام لے لے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں:

صاحب هذا الأمر ، لا يسمّيه باسمه إلّا كافر . ''صاحب ہذا الامر، اس کا نام کافر ہی لیتا ہے۔''(أصول الكافي : ٣٣٣/١)

اگر کہیں مہدی کا نام لکھنا پڑے تو شیعہ اس کا نام حروفِ مقطعات کے ساتھ لکھتے ہیں، مثلاً م ح م د۔(أصول الكافي : ٣٢٩/١)

شیعہ اپنے مہدی کے بارے میں کہتے ہیں کہ ۲۵۵ھ میں اس کی ولادت ہوئی اور ۲۶۰ھ میں وہ غائب ہو گیا۔ کہتے ہیں: **يشهد الموسم ، فيراهم ، ولا يرونه .**

''مہدی حج کے لیے آتا ہے۔ وہ ان کو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن وہ اسے نہیں دیکھ پاتے۔''

(أصول الكافي : ٣٣٧/١۔٣٣٨۔ الغيبة للنعماني، ص : ١١٦)

مشہور شیعہ الفیض کاشانی (م:۱۰۹۱ھ) نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا ہے:

لو قام قائمنا ردّ الحميراء عائشة حتّى يجلدها الحدّ .

''اگر ہمارا مہدیٔ منتظر آ گیا تو وہ حمیراء عائشہ کو قبر سے واپس نکال کر اس پر حد قائم کرے گا۔''(التفسير الصافي للفيض الكاشاني : ٣٥٩/٣، نور اليقين للمجلسي : ص ٣٤٧)

نعوذ باللہ! کتنے خبیث اور بد باطن ہیں یہ لوگ جو نبیٔ طاہر ومطہر کی ازواجِ مطہرات پر بھی کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آتے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مقدس میں بیان کر دی لیکن رافضی جھوٹے اور ظالم ان پر حد قائم کرنے کا سوچتے ہیں۔انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾ (النحل : ۱۰۵)

''جھوٹ وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کے ''امام زمان'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

فليس فيهم أحد يعرفه ، لا بعينه ولا صفته ، لكن يقولون : إنّ هذا الشخص الذي لم يره أحد ، ولم يسمع له خبر ، هو إمام زمانهم ، ومعلوم أنّ هذا ليس هو معرفة بالإمام ..... ''ان میں سے کوئی بھی اسے پہچانتا نہیں، نہ اسے کسی نے دیکھا ہے نہ اس کی کوئی صفت کسی کو معلوم ہے بلکہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا شخص ہے جسے کسی نے دیکھا نہیں نہ اس کی کوئی خبر سنی ہے۔وہ ان کا امامِ زمان ہے حالانکہ معلوم ہے کہ یہ امام کی پہچان نہیں ہے۔''(منهاج السنة النبويّة لابن تيمية : ١١٤/١)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: **ويقولون : إنّما كانوا على الحقّ ، لأنّ فيهم الإمام المعصوم ، والمعصوم عند الرافضة الإماميّة الإثني عشريّة هو الذي دخل إلى سرداب سامراء بعد موت أبيه الحسن بن عليّ العسكريّ سنة**

ستّين ومأتين ، وهو إلى الآن غائب ، لم يعرف له خبر ، ولا وقع له أحد على عين ولا أثر . ''رافضی کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں کیونکہ ان میں امام معصوم موجود ہے۔ رافضی امامی اثناعشری شیعوں کے نزدیک معصوم وہ ہے جو اپنے والد کی وفات کے بعد ۲۶۰ھ میں سامراء کے مورچے میں داخل ہو گیا اور اب تک غائب ہے۔اس کی کوئی خبر معلوم نہیں ہوئی نہ کسی کو اس کا کوئی نشان ملا ہے۔''(مجموع الفتاوی لابن تیمیة : ۴۵۲/۲۷)

کیا امام مہدی اور عیسیٰ بن مریم ایک ہیں؟

بعض لوگوں کا یہ نظریہ بھی ہے کہ امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں۔ جب ابن تومرت نے ''المہدی المنتظر'' ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے ردّ میں علامہ ابراہیم بن موسیٰ بن محمد شاطبی رحمہ اللہ (م : ۷۹۰ھ) نے فرمایا :

وكذّب ، فالمهديّ عيسٰى عليه السلام . ''اس نے جھوٹ بولا ہے کیونکہ امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں۔''(الاعتصام للشاطبي : ۹۲/۲، وفي نسخة : ۵۸۵/۲)

لیکن یہ بات بے دلیل ہونے اور صحیح احادیث وآثار کے خلاف ہونے کی بنا پر مردود و باطل ہے۔ علامہ شاطبی رحمہ اللہ سے ایک صدی پہلے ہی مشہور مفسر علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰۔۶۷۱ھ) فرما گئے تھے :

وقيل : المهديّ هو عيسٰى فقط ، وهو غير صحيح ، لأنّ الأخبار الصحاح قد تواترت على أنّ المهديّ من عترة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فلا يجوز حمله على عيسٰى . ''کہا گیا ہے کہ امام مہدی ، عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ صحیح احادیث اس بارے میں تواتر کے درجے تک پہنچ گئی ہیں کہ مہدی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہوں گے، لہٰذا امام مہدی کو عیسیٰ علیہ السلام قرار دینا جائز نہیں۔''(تفسیر القرطبي : ۱۲۲/۸)

بعض لوگ اس ضمن میں ایک ''ضعیف'' روایت کا بھی سہارا لیتے ہیں کہ

«مَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسٰى» ''عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی مہدی نہیں۔''

(سنن ابن ماجه : ٤٠٣٩، حلية الأولياء لابي نعيم : ١٦١/٩، المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٤٤١/٤، جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البرّ : ١٥٥/١، تاريخ بغداد للخطيب : ٢٢١/٤)

لیکن یہ روایت دو وجہ سے ''ضعیف'' ہے:

① اس کا راوی محمد بن خالد الجندی ''مجہول'' ہے۔

(تقريب التهذيب لابن حجر، ت : ٥٨٤٩)

اس کو امام حاکم رحمہ اللہ (تاریخ ابن عساکر : ۵۱۷/۴۷) اور امام بیہقی رحمہ اللہ (بیان خطأ للبیہقی : ۲۹۹) نے ''مجہول'' کہا ہے۔امام بیہقی رحمہ اللہ نے تو یہ بھی لکھا ہے:

لم يعرف بما تثبت به عدالته ويوجب قبول خبره .

''اس کی معرفت نہیں ہوئی جس کے ذریعے اس کی عدالت ثابت ہو اور اس کی حدیث کو قبول کرنا واجب ہو۔''

کسی ایک بھی ثقہ امام سے اس کی توثیق ثابت نہیں۔ البتہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' ضرور کہا ہے۔(التمهيد لابن عبد البر : ٣٩/٢٣)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ولسنا نقبل رواية المجهولين .**

''ہم مجہول راویوں کی روایات قبول نہیں کرتے۔''(كتاب القراءت للبيهقي : ١٩٧)

نیز فرماتے ہیں: **ولسنا نقبل دين الله تعالٰى عمّن لا يعرفه أهل العلم بالحديث بالعدالة ولا احتجّ به أحد من المتقدّمين من علماء أهل الكوفة .**

''ہم اللہ کا دین ان لوگوں سے نہیں لیتے جن کی عدالت کو محدثین کرام نہیں جانتے۔ متقدمین علمائے کوفہ میں سے بھی کسی نے ایسے راویوں سے حجت نہیں پکڑی۔''

(كتاب القراءت للبيهقي : ص ١٨١،١٨٠، تحت الحديث : ٣٩٢)

② اس کی سند میں امام حسن بصری رحمہ اللہ ''مدلس'' ہیں۔ انہوں نے سماع کی

تصریح نہیں کی۔

اس حدیث کو ائمہ حدیث نے قبول نہیں کیا جیسا کہ:

(ا) علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام نسائی رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کرتے ہیں: **هذا حديث منكر .** ''یہ حدیث منکر ہے۔''

(العلل المتناهية لابن الجوزي : ٨٦٢/٢، ح : ١٤٤٧)

(ب) امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهذا الحديث إن كان منكرا بهذا الإسناد ، فالحمل فيه على محمّد بن خالد الجنديّ .**

''اگر یہ حدیث اس سند کے ساتھ منکر ہے تو اس کی ذمہ داری محمد بن خالد پر پڑتی ہے۔''(بيان خطأ للبيهقي : ٢٩٩)

(ج) حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهو خبر منكر .**

''یہ حدیث منکر ہے۔''(ميزان الاعتدال للذهبي : ٥٣٥/٣)

(د) علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **غير صحيح .** ''یہ حدیث صحیح نہیں۔''(تفسير القرطبي : ١٢٢/٨)

(ہ) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعيف .**

''یہ روایت ضعیف ہے۔''(منهاج السنة النبويّة لابن تيمية : ٢١١/٤)

(و) علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وأنّه لا يصحّ ، ولو صحّ لم يكن فيه حجّة .** ''یہ حدیث ثابت نہیں، اگر ثابت بھی ہو تو اس میں کوئی دلیل موجود نہیں۔''(المنار المنيف لابن القيم : ١٤٨)

علامہ صنعانی رحمہ اللہ نے اسے ''موضوع'' (من گھڑت) قرار دیا ہے۔

(الفوائد المجموعة للشوكاني، ص : ٥١٠)

قبروں اور آستانوں پر چراغ جلانا اور قندیلیں روشن کرنا بدعتِ سیئہ وقبیحہ ہے۔ یہ لغو و عبث کام ہے جو دین میں اضافہ، کفار سے مشابہت اور مال کا ضیاع ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ جو کام نصرانی اپنے گرجوں اور ہندو اپنے مندروں میں بھی نہیں کرتے، وہ کام قبوری اپنے بزرگوں کی قبروں اور آستانوں پر کر گزرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعت کا اپنا مجرمانہ ذوق اور مزاج ہے۔ ایک بدعت دوسری بدعت کے لیے راہ ہموار کرتی ہے کیونکہ بدعت میں علم صحیح اور عقل سلیم کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ﴾ (الحج: ۳)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے بحث کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وهذا حال أهل الضلال والبدع، المعرضين عن الحقّ، المتّبعين للباطل، يتركون ما أنزل اللّٰه على رسوله من الحقّ المبين، ويتّبعون أقوال رؤوس الضلالة، الدعاة إلى البدع بالأهواء والآراء، ولهذا قال في شأنهم وأشباههم: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ أي: علم صحيح، ﴿وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ﴾.

''یہ ان گمراہ اور بدعتی لوگوں کا حال ہے جو باطل کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر جو واضح حق نازل کیا ہے، اسے چھوڑ کر گمراہوں کے سرغنوں اور نفسانی خواہشات و انسانی آراء کے ذریعے بدعت کی دعوت دینے والوں کے پیچھے چلتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو علم صحیح کے بغیر اللہ

تعالیٰ کے بارے میں بحث مباحثہ کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں۔''

(تفسير ابن كثير : ٤/٤٠٨،٤٠٩)

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ☆ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ (الحج : ٨،٩)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (حق سے) اعراض کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم (صحیح)، ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر بحث مباحثہ کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ کی راہ سے بھٹکائیں، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور روز قیامت ہم ان کو جلانے کا عذاب چکھائیں گے۔''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر وتشریح میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لمّا ذكر تعالى حال الضلّال الجهّال المقلّدين في قوله : ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ﴾ ، ذكر في هذه حال الدعاة إلى الضلال من رؤوس الكفر والبدع ، فقال : ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ﴾ أي : بلا عقل صحيح ، ولا نقل صحيح صريح ، بل بمجرّد الرأي والهوى .

''جب اللہ تعالیٰ نے گمراہ اور جاہل مقلدین کا حال اس طرح بیان کیا کہ : ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ﴾ (اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے بحث کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں) تو ساتھ ہی گمراہی کی طرف دعوت دینے والے کفر اور بدعت کے سرغنوں کا حال بھی بیان کر دیا، چنانچہ فرمایا : ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ﴾ (''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم (صحیح)،

ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر بحث مباحثہ کرتے ہیں)، یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر عقل صحیح اور بغیر نقل صریح کے صرف خواہشات وآراء کی روشنی میں بحث کرتے ہیں۔''

(تفسیر ابن کثیر : ٤١٣/٤)

قبروں پر چراغ جلانا قرآن وسنت سے ثابت نہیں لہٰذا ایسا کرنا اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی ہے۔اس کا ارتکاب کرتے ہوئے امام بریلویت جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی گجراتی صاحب(۱۳۲۴۔۱۳۹۱ھ) لکھتے ہیں:

''کسی کی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے کہ یہ فضول خرچی ہے اور اگر فائدے سے ہوتو جائز ہے۔فوائد کل چار بیان ہوئے ہیں۔تین عام مؤمنین کی قبروں کے لیے اور چوتھا یعنی تعظیم، روح ولی، مشائخ وعلماء کی قبور کے لیے۔''(«جاء الحق» از نعیمی : ٣٠٣/١)

قارئین کرام قرآن کریم کی مذکورہ آیاتِ بینات اور ان کی تفسیر پر غور فرمائیں، پھر نعیمی صاحب کی ان باتوں کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ معاملہ بالکل صاف ہو جائے گا۔شرعی دلائل سے تہی دست لوگ کس طرح بے باک ہوتے ہیں۔ یہ جعلی اور مصنوعی تعظیم کہاں سے آئی؟ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کرتے تھے؟ اگر کرتے تھے اور یقیناً کرتے تھے تو بتائیں کس صحابی نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر چراغاں کیا؟ اور پھر کیا تابعین کرام، صحابہ کرام کی تعظیم کرتے تھے یا نہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو بتائیں کس تابعی نے کس صحابی کی قبر پر چراغ جلائے؟ کیا یہ بناوٹی فوائد صحابہ وتابعین کو معلوم نہ تھے؟ اگر نہیں تھے اور یقیناً نہیں تھے تو ان کا راستہ ہی حق ہے۔

اگر کوئی بھائی برا نہ منائے تو ہم کہہ دیں کہ دراصل ان لوگوں کی زندگی قبروں کے ساتھ معلق ہے۔ یہ قبریں ان کے باطل عقائد کی بقا کا سامان اور ان کی شکم پروری کا بہترین ذریعہ ہیں۔ یہی قبریں ہی تو بت پرستی کا باعث ہیں۔ جو کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا اور نہ اسے کرنے کا حکم دیا، نہ کسی صحابی نے کیا، نہ کسی تابعی نے کیا، نہ سلف صالحین اور ائمہ دین

اس سے واقف ہوئے ، وہ دین کیسے بن گیا؟ یہاں رک کر ایک اور سوال ہے کہ کیا نعیمی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے پیشوا امام ابوحنیفہ سے قبروں پر چراغ جلانا ثابت ہے؟ اگر نہیں تو کیا وہ بزرگوں اور صالحین و اولیاء کے گستاخ تھے؟ کیا وہ مشائخ کی تعظیم نہیں کرتے تھے؟ اور کیا وہ ان چار فوائد سے محروم ہی رہے جن سے نعیمی صاحب اپنی عوام کو بہرہ ور کر رہے ہیں؟

اگر یہی دین ہے تو پھر اہل کتاب کا کیا جرم ہے؟ انہی قبروں کی وجہ سے تو ان پر لعنت کی گئی۔ وہ بھی تو اپنے مشائخ و صالحین کی قبروں کی تعظیم میں یہی کچھ کرتے تھے۔ یہی ''فوائد'' ان کے بھی پیش نظر تھے۔ جبکہ صحابہ و تابعین اور سلف صالحین نے ایسا نہیں کیا۔ ان بدعتیوں کے علاوہ کسی ثقہ مسلمان سے قبروں پر چراغاں کرنا ثابت نہیں۔

خود ان کی اپنی فقہ بھی اس کی مخالف ہے اور اسے بدعت قرار دیتی ہے جیسا کہ فقہ حنفی کی معتبر ترین کتاب فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

إخراج الشموع إلى المقابر بدعة ، لا أصل له .

''قبروں کی طرف شمعیں لے کر جانا بدعت ہے۔ اس کی (دین میں) کوئی دلیل نہیں۔'' (فتاوی عالمگیری : ۳۵۱/۵)

مزید لکھا ہے: **وإيقاد النار على القبور ، فمن رسوم الجاهليّة .**

''اور قبروں پر آگ جلانا جاہلیت کی ایک رسم ہے۔'' (فتاوی عالمگیری : ۱۶۷/۱)

خود جناب احمد یار خان نعیمی گجراتی بریلوی صاحب بھی لکھتے ہیں:

''فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے، یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔'' («جاء الحق» از نعیمی : ۳۰۲/۱)

جناب نعیمی صاحب نے فتاویٰ شامی جلد دوم، کتاب الصوم سے یہ بھی نقل کیا ہے:

أمّا لو نذر زيتا لإيقاد قنديل فوق ضريح الشيخ ، أو في المنارة ، كما

تفعل النساء من نذر الزيت لسيّدي عبد القادر ، ويوقد في المنارة جهة المشرق ، فهو باطل . ''لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا مینارہ میں چراغ جلانے کے لیے تیل کی نذر مانی جیسے کہ عورتیں حضور غوث پاک کے لیے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اس کو مشرقی مینارہ میں جلاتی ہیں، یہ سب باطل ہے۔''(«جاء الحق» از نعیمی : ۳۰۳،۳۰۲/۱)

نعیمی صاحب مزید لکھتے ہیں: ''قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا: چراغاں کرنا بدعت ہے۔حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغاں کرنے اور سجدے کرنے والیوں پر لعنت فرمائی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں صفحہ ۱۴ پر ہے: لیکن عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے چراغاں کرنا اور ان قبروں کو غلاف پہنانا، یہ سب بدعتِ سیئہ ہیں۔''

(«جاء الحق» از نعیمی : ۳۰۳/۱)

قبروں پر چراغاں اور نعیمی بریلوی صاحب :

✳ جناب احمد یار خان نعیمی گجراتی صاحب اس بدعت کے ثبوت میں لکھتے ہیں:

''چنانچہ پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو، اب جائز قرار پایا۔تفسیر روح البیان میں زیرآیت ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ﴾ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے مینارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل مربع میں عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاتتی تھیں اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو آراستہ کیا تھا۔''(«جاء الحق» از نعیمی : ۳۰۵/۱)

❀ ہم کہتے ہیں کہ ''اب جائز قرار پایا'' پر کیا دلیل ہے؟ اور یہ بات آپ کے فقہاء کو کیوں معلوم نہ ہوئی؟ وہ قبروں پر چراغاں کرنے کو بے اصل اور جاہلیت کی رسم قرار دیتے ہیں۔معلوم یہی ہوتا ہے کہ حنفی فقہاء تو نام نہاد فقہاء تھے، اصل فقہ تو مفتی نعیمی صاحب کو حاصل ہوئی ہے! بدعات وخرافات اور منہیات کو دین ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔لگتا ہے کہ جناب نے اس میدان میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔

نعیمی صاحب نے مشہور گمراہ صوفی اسماعیل حقی بن مصطفیٰ استنبولی حنفی (م: ۱۱۲۷ھ) کی تفسیر ''روح البیان'' کے پیچھے چل کر سیدنا سلیمان علیہ السلام کی طرف جھوٹی اور مضحکہ خیز بات منسوب کر دی ہے۔اس کی سند کہاں ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ کہاں بیت المقدس کے مینارے پر روشنی کرنے کا عمل اور کہاں صالحین کی قبروں پر چراغاں کرنے کا اثبات؟ بات قبروں کی ہو رہی ہے اور ''مفتی'' صاحب نے دلائل سے عاری ہو کر مسجدوں کی طرف رخ کر لیا ہے۔انہیں چاہیے تھا کہ اپنے اکابر کے بدعت قرار دینے کا ردّ کرتے ہوئے قبروں پر چراغاں کو قرآن وسنت کے صحیح وصریح دلائل سے جائز قرار دیتے۔

✳ دلیل تو نعیمی صاحب کے پاس ہے نہیں، ورنہ وہ ''روح البیان'' کی ان بے سر وپا باتوں کی طرف التفات نہ کرتے جو موضوعِ بحث سے کوئی تعلق بھی نہیں رکھتیں۔اس بنا پر انہوں نے اپنے فقہاء کی صاف وصریح باتوں میں تاویلات شروع کر دیں۔چنانچہ ابن عابدین شامی حنفی (۱۲۳۸۔۱۳۰۷ھ) کی عبارت کے جواب میں لکھتے ہیں:

''شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے۔وہ بھی عرس کے چراغاں کو منع نہیں کر رہے، وہ فرما رہے ہیں کہ چراغ جلانے کی نذر ماننا جس میں اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو، وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبارت درمختار کی اس عبارت کے ماتحت ہے: **واعلم أنّ النذر يقع للأموات من أكثر العوّام ، وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء تقرّبا إليهم بالإجماع باطل .** (جاننا چاہیے کہ عوام جو مُردوں کی نذریں مانتے ہیں اور ان سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لیے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے تقرب حاصل کرنے کے لیے، وہ بالاجماع باطل ہے) اور خود شامی کی عبارت میں بھی ہے: **فوق ضريح الشيخ** (شیخ کی قبر کے اوپر چراغ جلانا) ضریح کہتے ہیں خالص تعویز قبر کو۔منتخب اللغات میں ہے: ضریح گور یا مغا کے کہ درمیان گور ساز مذ۔اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویز پر چراغ جلانا منع ہے۔

اسی طرح اگر قبر تو نہ ہو، یوں ہی کسی بزرگ کے نام چراغ کسی جگہ رکھ کر جلا دے جیسے کہ بعض جہلاء بعض درختوں یا بعض طاق میں کسی کے نام کے چراغ جلاتے ہیں، یہ بھی حرام ہے۔اسی کو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی مینارہ میں جلانا باطل ہے۔غوثِ پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے اور ان کے چراغ جلے شام کے مینارہ میں ، یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شامی نے تین چیزوں سے منع فرمایا: چراغ چلانے کی منت ماننا ، وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنے کی نیت سے، خاص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کے کسی نام کے چراغ جلانا ،عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں۔''

(«جاء الحق» از نعیمی : ۳٦/۱)

❁ قارئین نے جناب نعیمی صاحب کی اول فول عبارت ملاحظہ فرمائی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر قبر ولی پر نذر و منت کے طور پر چراغ جلائے تو بالاجماع بدعت اور حرام ، اگر ولی اور شیخ کی روح کی تعظیم میں ایسا کرے تو غلو اور حرام ، اگر ویسے ہی جلائے تو بے فائدہ اور فضول کام اور بدعت ہے۔ چونکہ شریعت نے کسی صورت بھی قبر پر چراغ جلانے کی اجازت نہیں دی، صحابہ و تابعین اور ائمہ دین نے اس کو بطور تعظیم اختیار نہیں کیا تو نعیمی صاحب کے پاس اجازت اور جواز کی کونسی اتھارٹی ہے؟

رہی بات ضریح کی تو ''مفتی'' صاحب اس کا مطلب ہی نہیں سمجھے۔ ضریح قبر ہی کو کہتے ہیں یا قبر کے درمیان تنگ جگہ کو کہتے ہیں۔(القاموس الوحید : ۹٦٦) لہٰذا قبر کے اوپر چراغ جلائیں یا اس کے آس پاس جلائیں یا جس عمارت میں قبر ہو اس کے طاقچے میں یہ کام کریں تو وہ قبر پر ہی متصور ہو گا جو کہ ممنوع و حرام ہے۔ جب ایک کام جائز ہے تو ''مفتی'' صاحب بتائیں کہ اس جائز کام کی نذر ماننا حرام اور باطل اور بدعت کیسے ہو گیا؟ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کسی کے نام پر قبر سے دور چراغاں کرنا بھی بقولِ نعیمی صاحب بدعت ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کی قبر مبارک تو بالاتفاق مدینہ منورہ میں ہے۔ نہ جانے یہ لوگ اپنی ہی

فقہ کی مخالفت میں میلاد کا چراغاں مدینہ منورہ سے دور پوری دنیا میں کیوں اور کس دلیل سے کرتے ہیں؟ پھر باعترافِ نعیمی صاحب ان کے قبروں میں موجود بزرگ مُردے ہیں۔ نیز قبروں پر چراغاں کے لیے عوام سے چندہ جمع کرنا بالا جماع باطل، حرام اور بدعت ہے۔ بریلوی بھائیوں سے التماس ہے کہ وہ ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں، بہت فائدہ ہوگا۔ إن شاء اللّٰه!

✳ جناب احمد یار خان نعیمی اوجھانوی بدایونی گجراتی صاحب ''فتاویٰ عالمگیری'' سے ایک عبارت نقل کر کے اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''عالمگیری کی اصل عبارت یہ ہے: **إخراج الشموع إلى رأس القبور في الليالي الأول بدعة** . (شروع راتوں میں قبرستان میں چراغاں لے جانا بدعت ہے)۔ اس میں دو کلمے قابل غور ہیں۔ ایک تو إخراج اور دوسرے **في الليالي الأول**، ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانے میں لوگ اپنے نئے مردوں کی قبروں پر چراغاں لے جا کر جلا آتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ قبر میں نہ گھبرائے گا جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ روزانہ مردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا پا کر لوٹ جاتی ہے، لہٰذا روشنی کر دو۔ یہ حرام ہے کیونکہ تیل کا بلا ضرورت خرچ ہے اور بدعقیدگی بھی ہے۔ اسی کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ عرس کے چراغات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں۔ اگر یہ مطلب نہ ہو تو شروع راتوں کی قید کیوں ہے؟'' («جاء الحق» از نعیمی: ۳۰۵/۱، ۳۰۶)

❁ دراصل فتاویٰ عالمگیری میں کسی خاص علاقے کی خاص بدعت کا ردّ ہو رہا ہے کہ وہاں کے لوگ مہینے کی پہلی تاریخوں کو قبروں پر چراغ جلاتے تھے۔ اس کو بدعت کہا جا رہا ہے، اس سے عام دنوں میں چراغ جلانے کا جواز کیسے ثابت ہوا؟ عرسوں کے چراغ کسی بھی نیت سے ہوں، وہ بدعت ہیں کیونکہ شریعتِ محمدیہ میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ عرس

بذاتِ خود بدعت ہے۔ صحابہ و تابعین اور ائمہ دین نے انبیاء وصلحاء کی قبروں پر عرس کا اہتمام نہیں کیا۔ جب عرس بدعت ہے تو اس پر ہونے والی کارروائیاں کیوں بدعت نہیں ہوں گی؟ فقہ حنفی میں کسی بھی صورت میں قبروں پر چراغ جلانے کا ثبوت موجود نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی کارروائیاں کرنے والے لوگ محمدی تو تھے ہی نہیں، اب حنفی بھی نہیں رہے۔ انہوں نے محض حنفیت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، ورنہ اپنے فقہاء کی عبارات کی اتنی دور از کار تاویلات نہ کرتے۔

✳ جناب احمد یار خان نعیمی صاحب لکھتے ہیں:

''دوم یہ کہ حدیث میں ہے: **والمتّخذين عليها المساجد والسرج** (حضور علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی جو قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں)۔ ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق دہلوی و دیگر شارحین اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی طرف سجدہ ہو یا قبر فرشِ مسجد میں آجائے، یہ منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے پاس مسجد ہو، برکت کے لیے تو جائز ہے، یعنی اس جگہ انہوں نے علیٰ کو اپنے حقیقی معنیٰ پر رکھا جس سے لازم آیا کہ خود تعویذ قبر پر چراغ جلانا منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے اردگرد ہو تو وہ قبر پر نہیں۔''

(«جاء الحق» از نعيمی: ٣٠٤/١)

❁ جناب نعیمی صاحب نے دو بدعتیوں کی بات کا سہارا لے کر اجماعِ امت کی مخالفت مول لے لی ہے۔ قبر پر جس مسجد میں شریعت نے منع کیا ہے، وہ قبر کے اوپر ہو یا قبر کے اردگرد ہو، بہرحال منع ہے۔ یہی مسئلہ چراغ جلانے کا ہے۔ باقی یہ کہنا کہ علیٰ اپنے حقیقی معنیٰ پر رکھا، نری جہالت اور سلف صالحین کی مخالفت ہے۔ سلف میں سے کسی نے یہ نہیں سمجھا جو نعیمی صاحب کو سوجھا ہے۔ عموماً کہا جاتا ہے:

بنى السلطان على مدينة كذا أو قرية كذا سورا .

''حاکم نے فلاں شہر یا فلاں بستی پر فصیل بنائی۔'' حالانکہ یہ فصیل بستی کے اوپر

نہیں بنائی جاتی بلکہ اس کے اردگرد بنی ہوتی ہے۔عربی زبان میں یہ چیز بہت زیادہ ہے۔

قبروں پر چراغ اور اہل علم کا موقف :

اب اس بدعتِ سیئہ کے بارے میں علمائے کرام کی آراء بھی ملاحظہ فرمائیں :

① علامہ ابومحمد عبدالغنی المقدسی (۵۴۱۔۶۰۰ھ) فرماتے ہیں :

ولأنّ فیه تضییعا للمال فی غیر فائدة ، وإفراطا في تعظیم القبور ، أشبه تعظیم الأصنام . ''اس میں بے فائدہ مال کا ضیاع ہے اور یہ قبروں کی تعظیم میں غلو کا باعث ہے جو کہ بتوں کی تعظیم سے مشابہت بھی رکھتا ہے۔''(إغاثة اللهفان لابن القیم : ۱۹۷/۱)

② شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) فرماتے ہیں :

وکذلک إیقاد المصابیح في هذه المشاهد مطلقا لا یجوز بلا خلاف .

''اسی طرح ان جگہوں میں چراغ جلانا بالاتفاق مطلقاً ناجائز ہے۔''

(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیة : ۶۷۷/۲)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں : **وبناء المسجد وإسراج المصابیح علی القبور ممّا لم أعلم فیه خلافا أنّه معصیة للّٰه ورسوله .**

''قبروں پر مسجد بنانا اور چراغ روشن کرنا ان کاموں میں سے ہیں جن کے اللہ اور رسول کی مخالفت ہونے میں مَیں کوئی اختلاف نہیں جانتا۔''(مجموع الفتاوی : ۴۵/۲۱،۶۰)

③ شیخ الاسلام ثانی ، عالم ربانی ، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) فرماتے ہیں :

وإیقاد السرج علیها ، وهو من الکبائر . ''اور قبروں پر چراغ جلانا، یہ کبیرہ گناہ ہے۔''(إغاثة اللهفان لابن القیم :۱۹۷/۱)

نیز فرماتے ہیں : **وعادة النصاری في أمواتهم أنّهم یوقدون الشموع ، ویزفّون بها المیّت ، ویرفعون أصواتهم بقراء ة کتبهم ، وقد منع جماعة من**

الصحابة أن لا تتّبع جنازتهم بنار خوفا من التشبّه بهم .

''نصاریٰ کی اپنے مُردوں کے بارے میں عادت ہے کہ وہ شمعیں روشن کر کے مُردے کو قبر میں اتارتے ہیں اور اپنی کتابوں کی قراءت بلند آواز سے کرتے ہیں۔صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اپنے جنازوں کے ساتھ آگ لے جانے سے منع فرمایا، انہیں ڈر تھا کہ کہیں نصاریٰ سے مشابہت نہ ہو جائے۔''(أحكام أهل الذمّة لابن القيم : ٢٣٠)

④ حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (۷۰۴۔۷۴۴ھ) فرماتے ہیں :

كلّ هذا لئلّا يحصل الافتتان بها ويتّخذ العكوف عليها ، وإيقاد السرج ، والصلاة فيها وإليها ، وجعلها عيداً ذريعة إلى الشرك ، لا سيّما أصل الشرك وعبادة الأصنام في الأمم السابقة ، إنّما هو من الافتتان بالقبور وتعظيمها .

''(قبروں کے حوالے سے اسلام کے) یہ سب اقدامات اس لیے ہیں کہ ان کے ذریعے فتنہ نہ پھیلے، ان کو عبادت گاہ نہ بنایا جائے، ان پر چراغ نہ جلائے جائیں، ان میں یا ان کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھی جائے اور انہیں میلہ نہ بنایا جائے جو کہ شرک کا سبب ہے، خصوصاً پہلی امتوں میں شرک اور بت پرستی کی ابتدا قبروں کے فتنے اور ان کی تعظیم سے ہی ہوئی تھی۔''(الصارم المنكي في الرد على السبكي لابن عبد الهادي : ٣٠٩)

نیز قبروں کے حوالے سے بہت سی احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

وهذه الأحاديث تدلّ كلّها على تحريم تخصيص القبور بما يوجب انتيابها ، وكثرة الاختلاف إليها من الصلاة عندها واتّخاذها مساجد ، واتّخاذها عيداً ، وإيقاد السرج عليه ، والصلاة إليها ، والذبح عندها ، ولا يخفى مقاصد هذه الأحاديث ، وما اشتركت فيه على من شمّ رائحة التوحيد المحض .

''یہ تمام احادیث بتاتی ہیں کہ قبروں پر ان چیزوں کا اہتمام کرنا حرام ہے جن سے ان کی طرف آنا جانا زیادہ ہو، ان کے پاس نماز پڑھنے کے لیے زیادہ آنا جانا ہو، ان کو سجدہ گاہ

بنایا جائے، ان کو میلہ گاہ بنایا جائے، ان پر چراغ جلائے جائیں، ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے اور ان کے پاس ذبح کیا جائے۔ان احادیث کے مطالب اور ان کا مشترکہ مقصد اس شخص سے مخفی نہیں جس نے خالص توحید کی خوشبو سونگھی ہے۔''

(الصارم المنكي في الردّ على السبكي لابن عبد الهادي : ٣١٠)

بریلویوں کے ممدوح ابن حجر ہیتمی (۹۰۹۔۹۷۴ھ) لکھتے ہیں :

وتجب إزالة كلّ قنديل أو سراج على قبر ، ولا يصحّ وقفه ونذره .

''اسی طرح قبر پر موجود ہر قندیل اور ہر چراغ کو ہٹانا واجب ہے۔قبر پر وقف کرنا یا اس پر نذر ماننا بھی صحیح نہیں۔''(الزواجر عن اقتراف الكبائر لابن حجر الهيتمي : ١٢١/١)

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا :

مبتدعین کی انوکھی چال دیکھیں کہ جب ان کی بدعات تار تار ہو گئیں تو اپنے سادہ لوح عوام کو دھوکا یہ دیا کہ ہمارے جاری کردہ امور اگرچہ پہلے ممنوع تھے، لیکن اب وہ مستحب اور جائز ہیں۔ جناب احمد یار خان نعیمی صاحب اسی سلسلے میں لکھتے ہیں :

''بہت سی باتیں زمانۂ صحابہ کرام میں منع تھیں، مگر اب مستحب۔''

(«جاء الحق» از نعیمی : ٣٠٤/١)

جناب نعیمی صاحب نے اس کی چار مثالیں بیان کی ہیں، آیئے دیکھتے ہیں کہ ان کی صحیح صورتِ حال کیا ہے؟

مثال نمبر ① : ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان حاکم خچر پر سوار نہ ہو اور چپاتی روٹی نہ کھائے اور باریک کپڑا نہ پہنے اور اپنے دروازہ کو اہل حاجت کے لیے بند نہ کرے اور فرماتے تھے : **فإن فعلتم شيئا من ذلك فقد حلّت بكم العقوبة .** ''اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تم کو سزا دی جائے گی۔''

(«جاء الحق» از نعیمی : ٣٠٤/١، ٣٠٥)

تبصرہ : یہ روایت مصنف عبد الرزاق (۳۲۴/۱۱، ح : ۲۰۶۶۲)، شعب الایمان للبیہقی (۳۹۴۷)، مشکوٰۃ المصابیح (۳۷۳۰) اور کنز العمال (۶۸۸/۵) میں موجود ہے۔

لیکن اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس میں امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی ''مدلس'' ہیں(طبقات المدلّسين لابن حجر : ٣٤)جو کہ ''عن'' کے لفظ سے بیان کرتے ہیں۔ سماع کی تصریح نہیں ملی۔ یہ مسلمہ اصول ہے کہ ثقہ مدلس جب بخاری و مسلم کے علاوہ ''عن'' کے لفظ سے حدیث بیان کرے تو روایت ''ضعیف'' ہوتی ہے۔

② عاصم بن ابی النجود کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع و لقاء ممکن نہیں۔

لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ قول ''مدلّس'' اور ''منقطع'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' اور نا قابل حجت ہے۔

جس روایت پر اصول کی بنیاد رکھی گئی تھی، وہی ''ضعیف'' ہوگئی تو اصول بھی ''ضعیف'' ہوا۔

مثال نمبر② : ''مشکوٰۃ، باب المساجد میں ہے : **ما أمرت بتشييد المساجد** ''مجھ کو مسجدیں اونچی بنانے کا حکم نہ دیا گیا۔''(«جاء الحق» : ٣٠٥/١)

تبصرہ : یہ روایت سنن ابی داؤد (۴۴۸) اور صحیح ابن حبان (۱۶۱۵) میں موجود ہے لیکن اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں امام سفیان ثوری موجود ہیں جو بالاجماع ''مدلس'' ہیں۔ سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

المعجم الکبیر للطبرانی (۱۸۸/۱۲، ح : ۱۳۰۰) میں صباح بن یحییٰ مزنی راوی نے امام سفیان ثوری کی متابعت کی ہے، لیکن خود یہ صباح بن یحییٰ مزنی سخت ضعیف راوی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں ''فیہ نظر'' کہا ہے(التاريخ الكبير للبخاري : ٣١٥/٤) جبکہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک، بل متہم'' قرار دیا ہے۔(ميزان الاعتدال للذهبي : ٣٠٦/٢)

نیز اس سند میں عبید بن محمد محاربی راوی بھی ''ضعیف'' ہے۔(تقريب التهذيب : ٤٣٩٠)

اسی طرح مسند ابی یعلیٰ (۲۴۵۴، ۲۶۸۸، ۲۶۸۹) اور المعجم الکبیر للطبرانی (۱۲/ ۱۸۸، ح : ۱۳۰۰) میں لیث بن ابی سلیم نے بھی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی متابعت کی ہے لیکن لیث بن ابی سلیم خود جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''مختلط'' ہے۔

الحاصل یہ روایت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔ کسی بھی قوی سند سے ان کی متابعت ثابت نہیں ہو سکی۔

جناب نعیمی صاحب اس ''ضعیف'' روایت کو دلیل بنا کر لکھتے ہیں :

''اگر کفار کے مکانات اور ان کے مندر تو اونچے ہوں مگر اللہ کا گھر مسجد نیچی اور کچی اور معمولی ہو تو اس میں اسلام کی توہین ہے۔''(«جاء الحق» از نعیمی : ۳۰۵/۱)

''مفتی'' صاحب نے جہالت کا لک توڑ دیا ہے۔ اس میں اسلام کی توہین کی کون سی بات ہے؟ اسلام کے اپنے احکام اور اپنے اصول ہیں جبکہ کفار کے اپنے طور طریقے ہیں۔ اگر نعیمی صاحب کے نزدیک یہ حدیث ثابت ہے تو (نعوذ باللہ!) کیا رسول اللہ ﷺ اسلام کی توہین کرتے رہے؟ صحابہ کرام کا دور بھی ایسے ہی گزرا کیونکہ خود بقول نعیمی صاحب کے یہ کام صحابہ کرام کے دور میں ممنوع تھا، اسلام کی تعظیم کیا نعیمی صاحب نے کی ؟

دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ»

''اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک لوگ مسجدوں میں فخر نہ کرنے لگیں۔''(مسند الإمام أحمد : ١٤٥/٣، ١٣٤/٤، سنن النسائي : ٦٩٠، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۱۳۲۲) اور امام ابن حبان (۱۶۱۴) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

ثابت ہوا کہ مساجد کی بلند و بالا عمارتوں اور ان کی زیبائش و آرائش پر فخر کرنا ممنوع ہے۔باقی مساجد کی عمارت کو بلند بنانا اوران کی زیب وزینت تو وہ ہر دور میں جائز رہی ہے۔

قبوری لوگ بدعات وخرافات اور منہیات کو دین قرار دینے کے لیے ہمہ وقت سرگرم نظر آتے ہیں۔ان کی ایک ہی کوشش ہے کہ قبروں پر روشنی ہونی چاہیے۔جبکہ حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ یہ کام بے اصل اور بے فائدہ ہے، نیز مال کا ضیاع ہے۔ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا کرنا اولیاء اللہ کی قبروں کے متعلق غلو ہے اور غلو ہی نے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا تھا۔یہ امت اگر اس غلو میں مبتلا ہو گی تو گمراہی سے کیسے بچے گی؟

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) مشہور فلسفی ابوالوفاء ابن عقیل (۴۳۱۔۵۱۳) سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لمّا صعبت التكاليف على الجهّال والطغام عدلوا عن أوضاع الشرع إلى تعظيم أوضاع وضعوها لأنفسهم، فسهلت عليهم، إذ لم يدخلوا بها تحت أمر غيرهم، قال: وهم عندى كفّار بهذه الأوضاع، مثل تعظيم القبور وإكرامها، بما نهى عنه الشرع، من إيقاد النيران وتقبيلها وتخليقها، وخطاب الموتى بالحوائج، وكتب الرقاع فيها: يا مولاي! افعل بى كذا وكذا، وأخذ تربتها تبرّكا، وإفاضة الطيب على القبور، وشدّ الرحال إليها، وإلقاء الخرق على الشجر اقتداء بمن عبد اللات والعزى، والويل عندهم لمن لم يقبل مشهد الكفّ، ولم يتمسح بآجرة مسجد الملموسة يوم الأربعاء، ولم يقلّ الحمّالون على جنازته الصديق أبو بكر، أو محمد وعليّ، أو لم يعقد على قبر أبيه أزجا بالجصّ والآجرّ، ولم يخرق ثيابه إلى الذيل، ولم يرق ماء الورد على القبر.

''جب جاہلوں اور بے وقوفوں پر شرعی احکام پر عمل کرنا مشکل ہوا تو انہوں نے شریعت کے مقرر کردہ شعائر چھوڑ کر خود ساختہ امور کی تعظیم شروع کر دی۔ان کے لیے ان

میں سہولت میسر ہوئی۔ان کی وجہ سے وہ شرعی احکام کی پابندی سے بھی نکل گئے۔ان وضعی اور ان خود ساختہ امور کی وجہ سے وہ کافر ٹھہرے،مثلاً قبروں کی ممنوع تعظیم وتکریم کرنا(ان کو سجدہ روا سمجھنا،ان پر نذر و نیاز دینا وغیرہ)، ان پر چراغ جلانا، ان کو بوسہ دینا، ان پر پھول نچھاور کرنا ، مردوں سے حاجات طلب کرنا ،قبروں پر چارٹ آویزاں کرنا کہ اے میرے مولا! میرا فلاں کام کردے، برائے تبرک قبروں کی مٹی حاصل کرنا، قبروں پر خوشبو چھڑکنا، ان کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کا اہتمام کرنا،لات وعزّی کے پجاریوں کی تقلید میں قبر کے درختوں کے ساتھ کپڑے باندھنا(وغیرہ)۔قبوری لوگ اس شخص کے لیے ہلاکت وبربادی کا یقین کر لیتے ہیں جو 'مشھد الکف' پر حاضری نہیں دیتا، جو بروز بدھ مسجد ملموسہ کی اینٹوں کو نہیں چھوتا، جو جنازہ اٹھانے والے ،ابوبکر صدیق، محمد اور علی کا نعرہ نہ لگائیں۔ان کے لیے بھی بربادی خیال کرتے ہیں جو اپنے باپ کی قبر پر چونا گچ عمارت کھڑی نہ کرے، جو اپنے کپڑے کو دامن تک نہ پھاڑے ، جو قبر پر عرقِ گلاب نہ چھڑکے، اس کے لیے بھی قبوری لوگ ہلاکت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔(إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان لابن القيم : ١٩٥/١)

مثال نمبر ③ : ''اسی مشکوٰۃ میں ہے: «لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ» (**عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو**)۔''(«جاء الحق» از نعیمی : ٣٠٥/١)

تبصرہ : یہ روایت صحیح البخاری (٨٥٨) اور صحیح مسلم (٤٤٢) میں موجود ہے۔اس حدیثِ نبوی کے خلاف ''مفتی'' احمد یار خان نعیمی گجراتی صاحب اپنی بدباطنی یوں ظاہر کرتے ہیں: ''اگر عورتیں مسجد میں جاویں تو صدہا خطرات ہیں۔''

(«جاء الحق» از نعیمی : ٢٠٥/١)

قارئین کرام! اسی کو کہتے ہیں کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور۔ یہ نام نہاد سنی حدیث کے خلاف کس طرح زہر اگل رہے ہیں۔ جس کام کی اجازت نبیؐ

اکرم ﷺ نے خود دی ہو اور صحابہ کرام جس کے عامل رہے ہوں، اس میں ان کو ''صدہا خطرات'' نظر آتے ہیں۔نعیمی صاحب کی اس بات کا جواب ہم اپنی طرف سے نہیں دیتے بلکہ اس بارے میں صحابیٔ رسول سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا طرزِ عمل پیش کرتے ہیں اور بریلوی بھائیوں کو دعوتِ فکر بھی دیتے ہیں کہ وہ اپنے ان ''علماء'' کی کارروائیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور غور فرمائیں کہ کیا وہ دین کی خدمت کر رہے ہیں یا۔۔۔۔

جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہی حدیث سنائی تو ان کے ایک بیٹے نے کہا: ہم عورتوں کو روکیں گے تو آپ نے اس کے سینے میں (زوردار تھپیڑا) مارا اور فرمایا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ (میں ان کو اجازت) نہیں (دوں گا)۔''

(صحیح مسلم: ٤٤٢)

اس حدیث سے جہاں عورتوں کے مسجد میں جانے کا جواز ثابت ہوتا ہے، وہاں عورتوں کو مسجدوں سے منع کرنے والوں کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتباعِ سنت، عبرت بھی ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت (۴۴۳/۱۳۵) میں تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے دوسرے بیٹے سالم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کے بیٹے نے حدیث سن کر بھی عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ان کو ضرور روکیں گے تو سیدنا ابن عمر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اتنا سخت برا بھلا کہا کہ میں نے اس جیسی سختی آپ میں کبھی نہ سنی تھی۔

یہ تھا صحابہ کرام کا جذبۂ اتباع، اب بھی اگر کوئی یہی بہانہ بنا کر عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکے تو خود ہی سوچے کہ اس سنت کی مخالفت کر کے وہ روزِ محشر نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کو کیا منہ دکھائے گا؟

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کیا عورتوں کو بازاروں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھیجتے ہوئے ''ہزارہا خطرات'' بریلوی بھائیوں کو نظر نہیں آتے؟ کیا وہ ان خطرات کی بنا پر اپنی عورتوں کو ان سب جگہوں سے روکتے ہیں؟ صرف حدیث کی مخالفت

کے لیے اتنے حیلے اور بہانے کیوں ہیں؟ کاش کہ نعیمی صاحب اس حدیث کے بارے میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما والی روش اختیار کرتے!

اس مسئلہ میں ہمارے تلمیذ ارشد، محترم ومکرم، حافظ ابویحییٰ نورپوری حفظہ اللہ نے ماہنامہ اَلسُّنَّۃ، شمارہ نمبر ⑧ میں ایک تفصیلی اور تحقیقی مضمون لکھا ہے جس میں انہوں نے بعض الناس کے تمام شبہات کا مسکت جواب دیا ہے۔ شائقین حضرات وہاں رجوع فرمائیں۔

مثال نمبر ④ : ''قرآن میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ہیں، یعنی مؤلفۃ القلوب بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن عہد فاروقی میں صرف سات مصرف رہ گئے۔ مؤلفۃ القلوب کو علیحدہ کر دیا گیا۔'' («جاء الحق» از نعیمی : ۳۰۵/۱)

تبصرہ : یہ روایت تفسیر طبری میں یوں بیان ہوئی ہے :

قال عمر بن الخطّاب رضي اللّٰه عنه وأتاه عيينة بن حصن : ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الكهف : ۲۹) أي : ليس اليوم مؤلّفة .

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس عیینہ بن حصن آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی : ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الكهف : ۲۹) (حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، لہٰذا جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے)، یعنی آج کے دن کوئی مؤلفۃ القلوب نہیں۔'' (تفسير الطبري : ۲۰۹/۱۰)

لیکن اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس کو بیان کرنے والے راوی حیان بن ابی جبلہ کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ولقاء ثابت نہیں۔ یہ سند ''منقطع'' ہوئی۔ محدثین کرام کے نزدیک صحیح حدیث کے لیے متصل السند ہونا شرط ہے۔

اس مضمون کی ایک اور روایت بھی ہے۔ (المعرفة والتاريخ للفسوي : ۳۰۹/۳، التاريخ الصغير للبخاري : ۵٦/۱، وفي نسخة : ۸۱/۱، السنن الكبرٰى للبيهقي : ۲۰/۷، تاريخ ابن عساكر : ۱۵۹/۱۹)

لیکن اس روایت کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① اس میں محمد بن عبد الرحمٰن المحاربی راوی ''مدلس'' ہے اور وہ ''عن'' کے لفظ سے بیان کر رہا ہے۔ سماع کی تصریح نہیں ملی۔

② عبیدہ بن عمرو راوی نے اس واقعہ کا زمانہ ہی نہیں پایا، لہٰذا یہ سند منقطع ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں : **قال عليّ بن المدينيّ : هذا منقطع ، لأنّ عبيدة لم يدرک القصّة ، ولا روي عن عمر أنّه سمعه منه .**

''امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ عبیدہ نے اس قصہ کا زمانہ نہیں پایا، نہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ مروی ہے کہ عبیدہ نے یہ واقعہ آپ سے سن لیا ہو۔''(الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر : ٢٥٤/١)

چنانچہ اس ''مدلّس'' اور ''منقطع'' سند کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ''صحیح'' کہنا(الإصابة : ٢٤٥/١) صحیح نہ ہوا۔

لہٰذا ''مفتی'' صاحب کا یہ کہنا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مؤلفۃ القلوب کو مصارفِ زکوٰۃ سے خارج کر دیا تھا، ثابت نہیں ہو سکا۔ **وللہ الحمد !**

یہ تھی ''مفتی'' صاحب کی ذکر کردہ چار مثالیں جن سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ کچھ دینی امور ایسے بھی ہیں جو صحابہ کرام کے دور میں ممنوع تھے لیکن بعد میں جائز قرار پائے اور اسی اصول سے وہ قبروں پر چراغاں کرنے کی بدعت کو خلعتِ جواز پہنانا چاہتے تھے لیکن قارئین کرام نے دیکھ لیا ہے کہ وہ اپنے مذموم ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو بدعات کی آمیزش سے بچاتے ہوئے محض اپنی رضا کے لیے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ **آمین یا ربّ العالمین !**

ماہنامہ السنۃ کے مستقل قارئین جانتے ہیں کہ گزشتہ اقساط میں احادیثِ صحیحہ وصریحہ سے حلال جانوروں کے پیشاب کا پاک ہونا ثابت کیا جا چکا ہے۔ائمہ دین واسلاف امت کے فہم سے اس کی تائیدات بھی ساتھ مذکور ہیں۔نیز مخالفین کی جانب سے کی گئی پہلی دو احادیث کی بودی تاویلات کا ردّ بھی کر دیا گیا ہے۔اس قسط میں ہم تیسری حدیث کے بارے میں کی گئی تاویلاتِ باردہ کا تجزیہ کریں گے۔مخالفین خلط مبحث سے کام لیتے ہوئے کچھ ایسے دلائل بھی پیش کرتے ہیں جن کا حلال جانوروں کے پیشاب سے کوئی تعلق نہیں، یہاں ان کی اصل صورتِ حال بھی واضح کی جائے گی۔

حدیث نمبر③ : ہم صحیح بخاری(۲۴۰)ومسلم(۱۷۹۴) کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سجدے کی حالت میں تھے کہ آپ کے اوپر ایک اونٹ کا گوبر وغیرہ پھینکا گیالیکن آپ نے اپنی نماز جاری رکھی۔

اگر حلال جانوروں کا گوبر وغیرہ بھی نجس ہوتا تو رسول اللہ ﷺ فوراً نماز ختم کر دیتے یا کم از کم بعد میں اسے دوہراتے۔اسی سے متعدد ائمہ حدیث وفقہائے کرام نے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب وگوبر پاک ہے۔

تاویل نمبر① : امام نسائی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے کا استدلال کیا تھا،اس حوالے سے علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں :

وردّ بأنّ الدم نجس ، وكان معه دم ، كما في رواية .

''امام نسائی رحمہ اللہ کے استدلال کا ردّ یوں کیا گیا ہے کہ خون تو نجس ہوتا ہے اور گوبر کے ساتھ خون بھی تھا،جیسا کہ ایک روایت میں موجود ہے۔''

(حاشية السندي على سنن النسائي : ١٦٢/١)

تجزیہ : دم مسفوح (ذبح کرتے وقت خارج ہونے والے خون) کے علاوہ حلال جانور کا خون پاک ہوتا ہے۔ اس کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں۔ کسی چیز کی نجاست کے ثبوت کے لئے کسی قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اس حوالے سے ہر گز موجود نہیں، لہٰذا یہ اعتراض سراسر باطل ہے۔

تاویل نمبر ② : حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۳۱۔۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

وأمّا الجواب المرضيّ أنّه صلّى اللّٰه عليه وسلّم لم يعلم ما وضع على ظهره ، فاستمرّ في سجوده استصحابا للطّهارة .

''دل کو لگنے والا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو معلوم نہ ہو سکا تھا کہ کمر پر کیا رکھا گیا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے استصحاباً (اصلی حالت، یعنی پاکی پر قیاس کر کے) پاک سمجھتے ہوئے سجدے کو برقرار رکھا۔'' (شرح مسلم للنووي: ۱۰۸/۲)

تجزیہ : اگر حلال جانوروں کا بول و گوبر ناپاک ہوتا تو آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا جاتا جیسا کہ ایک موقع پر آپ ﷺ کے جوتے میں گندگی تھی، علم نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے نماز شروع کر دی تو جبریل علیہ السلام نے آ کر آپ کو اطلاع دی۔ اس پر آپ نے جوتا اتار دیا۔ (سنن أبي داوٗد: ٦٥٠، وسندهٗ صحيحٌ)

ثابت ہوا کہ حلال جانوروں کا گوبر ناپاک نہ تھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اسی حالت میں نماز مکمل کر لی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں آئی۔

تاویل نمبر ③ : حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأنّه ذبيحة عبّاد الأصنام ، فهو نجس ، وكذلك اللحم وجميع أجزاء هذا الجزور . ''یہ اونٹ بتوں کے پجاریوں کا ذبح شدہ تھا اور وہ نجس ہوتا ہے، لہٰذا اونٹ کا گوشت اور تمام اجزاء نجس تھے۔'' (شرح مسلم للنووي: ۱۰۸/۲)

جواب : مشرکین کا ذبیحہ حرام ضرور ہوتا ہے ،نجس نہیں ہوتا۔ نجاست کی کوئی دلیل چاہیے۔ حرمت اور نجاست دو الگ چیزیں ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ (بلاشبہ مشرکین نجس ہیں) میں راجح بات یہی ہے کہ مشرکین کے جسم نجس نہیں ہیں، بلکہ ان کی نجاست معنوی ہے۔ اس حوالے سے کئی دلائل موجود ہیں جن کے بیان کا یہ محل متحمل نہیں۔ پھر بالفرض اگر رسول اللہ ﷺ پر نجاست پھینکی گئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ کو اس کی اطلاع کر دیتا تا کہ آپ اسے دور کر کے نماز ادا کر سکیں جیسا کہ آپ ﷺ کے جوتے میں نجاست پر اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر بذریعہ وحی اطلاع دی تھی اور آپ نے نماز کے اندر ہی جوتے اتار دیے تھے۔(سنن أبي داوٗد : ٦٥٠، وسندهٗ صحيحٌ)

تاویل نمبر ④ : محشّی بخاری جناب احمد علی سہارنپوری دیوبندی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ حلال جانوروں کے گوبر کی حرمت و نجاست کا حکم آنے سے پہلے کا ہے۔ جیسا کہ شراب حرام ہونے سے پہلے کپڑوں پر لگنے سے نماز کو خراب نہیں کرتی تھی۔

(حاشية صحيح البخاري : ٣٨/١، قديمی کتب خانه، آرام باغ، کراچی)

تجزیہ : ① سہارنپوری صاحب کو کیسے معلوم ہوا کہ پہلے حلال جانوروں کا پیشاب اور گوبر پاک تھا، بعد میں اسے نجس قرار دیا گیا؟ اس بارے میں ان کے پاس کوئی دلیل تھی تو بیان کیوں نہ کی؟ لہٰذا یہ دعوی بے دلیل ہونے کہ وجہ سے مردود ہے۔

② دیوبندی بھائی حلال جانوروں کے پیشاب کی نجاست پر دلیل وہی پیش کرتے ہیں جس سے انسانوں کے پیشاب کی نجاست ثابت ہوتی ہے۔ یعنی «اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ۔۔۔»۔ مخالفین کے دلائل میں وضاحت سے اس کا بیان ہو گا۔ کیا ان کے مطابق اس واقعہ کے وقت انسانوں کے پیشاب بھی نجس نہیں تھے ؟ اگر اس وقت انسانوں کے پیشاب نجس تھے اور یقیناً تھے تو انسانوں اور حلال جانوروں کے پیشاب کا ایک ہی دلیل

سے ایک ہی حکم بیان کرنا صحیح نہ ہوا، بلکہ اس کے لیے کوئی خاص حکم مطلوب ہے۔

③ کسی چیز سے بچنے کا حکم اس بات کی دلیل نہیں کہ پہلے وہ کام جائز تھا، بلکہ بسا اوقات تاکیداً ایسا کیا جاتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ڈاکہ ڈالنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحيح البخاري : ٥٥١٦) کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس ممانعت سے پہلے ڈاکہ جرم اور ممنوع نہ تھا ؟ اگر یہ واقعہ پیشاب سے بچنے سے پہلے کا بھی ہو تو اس سے ہی ثابت نہیں ہو جاتا کہ اس وقت حلال جانوروں کا پیشاب نجس نہیں تھا اور اس سے بچنا ضروری نہیں تھا۔ اصل بات یہی ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب کسی بھی دور میں نجس نہیں رہا۔ اگر اس حوالے سے کسی کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرے۔

تاویل نمبر ⑤ : علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں :

ثمّ لعلّه أعادها. ''پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس نماز کو دہرا لیا ہو۔''

(حاشية السندي علٰى سنن النسائي : ١٦٢/١)

تجزیہ : صحیح وصریح احادیث کے خلاف ایسے ضعیف احتمالات پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ صحیح سند تو کجا کسی ضعیف سند سے بھی یہ مروی نہیں کہ آپ ﷺ نے یہ نماز دہرائی تھی، لہٰذا یہ بالکل باطل اور فاسد تاویل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

پھر احتمال کی بنا پر کوئی حکم ثابت بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو بات حدیث میں واضح طور پر موجود ہے، اس کو تسلیم نہیں کیا جا رہا جبکہ جو چیز محض احتمالی ہے، اس پر اعتماد کیا جا رہا ہے!!!

اگر یہ احتمال کوئی وقعت رکھتا تھا تو ائمہ دین کو یہ بات سمجھ کیوں نہیں آئی ؟ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ جو امام ابو حنیفہ کے استاذ ہیں، ان سے سوال کیا گیا کہ اونٹ کا پیشاب اگر کپڑے کو لگ جائے تو کیا کیا جائے ؟ انہوں نے فرمایا: **وما عليك لو أصابك .**

''اگر تجھے اونٹ کا پیشاب لگ جائے تو کوئی حرج نہیں۔''

(مصنف ابن أبي شيبة : ۲۱۱/۱، ح : ۱۲۳۹، وسندهٗ صحيحٌ)

اسی طرح امام ابوحنیفہ کے ایک اور استاذ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے اونٹ کے پیشاب کے بارے میں پوچھا گیا کہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو کیا کیا جائے۔انہوں نے فرمایا:

لا بأس ، أليس يشرب ، ويتداوى به .

''اس میں کوئی حرج نہیں،کیا یہ پیا نہیں جاتا اور کیا اسے بطور دوائی استعمال نہیں کیا جاتا؟

(مصنف ابن أبي شيبة : ۱۲۴۰، وسندهٗ صحيحٌ)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ حلال جانوروں کا پیشاب پہلے پاک ہوتا تھا، پھر نجس قرار دیا گیا، نیز شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز دوہرا لی ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہی نہ ہوا کہ آپ کے اوپر نجاست پھینکی گئی ہے، ائمہ دین کے نزدیک درست نہیں، بلکہ درست بات یہی ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے، کسی دور میں بھی یہ ناپاک قرار نہیں دیا گیا۔

قائلین نجاست کے ''دلائل'' کا تجزیہ

حلال جانوروں کے پیشاب کو نجس کہنے والوں کے پاس کوئی بھی صحیح وصریح حدیث موجود نہیں، جس سے ان کا مدّعا ثابت ہوتا ہو، بلکہ کسی ضعیف حدیث میں بھی ایسی بات موجود نہیں، لیکن اس کے باوجود بعض لوگ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور صحیح وصریح احادیث اور فہم محدثین کا انکار کرتے ہیں۔آیئے ان کے مزعومہ دلائل کا تجزیہ کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ① : جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی صاحب لکھتے ہیں:

''دارقطنی (۱/ ۴۷) میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ، فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ» (تم پیشاب سے بچو کیونکہ عموماً عذابِ قبر کی وجہ یہی ہوتی ہے) اور اختصار کے ساتھ یہ روایت مستدرک

(۱۸۳/۱) میں بھی ہے۔ حاکم اور ذہبی فرماتے ہیں :**صحیح علی شرط الشیخین** ،سبل السلام (۱۲۴/۱) میں ہے کہ یہ روایت ''صحیح الاسناد'' ہے۔حافظ ابن حجر فتح الباری (۲۶۸/۱) میں لکھتے ہیں : **صحّحه ابن خزیمة**، پھر آگے لکھتے ہیں کہ یہ روایت جمیع ابوال کو شامل ہے، کیونکہ الفاظ عام ہیں۔''(خزائن السنن از صفدر :۱۵۳/۱)

تبصرہ : ① ہم نے صریح احادیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کا پاک ہونا ثابت کیا ہے،اس کے مقابلے میں اس کی نجاست ثابت کرنے کے لئے کوئی صریح دلیل ہی مطلوب ہے۔صریح کے مقابلے میں مبہم پیش کرنا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔اس روایت میں حلال جانوروں کے پیشاب کی نجاست کی بات کہاں ہے؟

② ہم نے جو دلائل ذکر کئے ہیں ، محدثین وفقہاء کی تصریحات کے بعد ان سے دلیل لی ہے کیونکہ وہی احادیث کو بہتر جانتے ہیں،لیکن مقلدین نے جو روایت پیش کی ہے، اس کو جن محدثین نے روایت کیا ہے ،ان میں سے کسی نے اس سے یہ استدلال نہیں کیا۔چنانچہ یہ روایت درج ذیل پانچ کتب حدیث میں وارد ہوئی ہے : [۱] سنن ابن ماجہ ، [۲]مسند احمد ،[۳] مستدرک حاکم ،[۴] سنن دارقطنی اور [۵] صحیح ابن خزیمہ ،لیکن کسی ایک محدث نے بھی اس سے حلال جانوروں کے پیشاب کو نجس ثابت نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس امام حاکم ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں :

إنّ الماء إذا خالطه فرث ما یؤکل لحمه ، لم ینجسه .

''پانی میں جب حلال جانوروں کا گوبر مل جائے تو اس سے پانی نجس نہیں ہوتا۔

(المستدرك علی الصحیحین للحاکم : ۱۶۰/۱)

اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی عام پیشاب کو نجس ثابت کیا ہے اور حلال جانوروں کے پیشاب کا حکم اس سے جُدا کرتے ہوئے اس حدیث پر یوں تبویب کی ہے :

باب نجاسة البول والأمر بالتنزّه منه ، والحکم في بول ما یؤکل لحمه .

''پیشاب کی نجاست کا بیان اور اس سے بچنے کا حکم ، نیز جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کے پیشاب کا حکم۔''(سنن الدار قطني : ١/١٣٤)

پھر امام صاحب نے حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے پر کئی روایات ذکر کی ہیں۔اس تبویب سے معلوم ہوا کہ امام دارقطنی ؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث حلال جانوروں کے پیشاب کے بارے میں نہیں ہے۔

امام ابن خزیمہ ؒ نے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے لیکن اسے حلال جانوروں پر فٹ نہیں کیا بلکہ وہ احادیث کی روشنی میں فرماتے ہیں: **إنّ أبوال ما يؤكل لحمه ليس بنجس .**

''جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب نجس نہیں۔''

(صحيح ابن خزيمة : ١/٦٠)

بقول جناب تقی عثمانی (درس ترمذی : ۱/ ۲۸۹)اور جناب سرفراز خاں صفدر(خزائن السنن : ۱/۱۵۳) امام احمد بن حنبل ؒ بھی حلال جانوروں کے پیشاب کو پاک سمجھتے تھے۔

پھر خود احناف کے بقول امام ابوحنیفہ کے مایہ ناز شاگرد اور فقہ حنفی کے بڑے ستون، محمد بن حسن شیبانی بھی حلال جانوروں کے پیشاب کو پاک سمجھتے تھے۔(الهداية : ١/٣٦، فصل في النفاس، البحر الرائق : ١/١٢٠، بدائع الصنائع : ١/٦١، شرح معاني الآثار للطحاوي : ١/١٠٨۔۔۔)

مقلدین ایک طرف تو تقلید کا ڈھونگ رچانے کے لئے اپنے آپ کو اس قدر غبی ثابت کرتے ہیں کہ وہ خود حدیث کو سمجھنے کے قابل نہیں ، اسی لیے کسی کی تقلید کرتے ہیں، جبکہ دوسری طرف حدیث سے اپنی بات بنانے کے لئے فہم محدثین وفقہاء کو یکسر ٹھکرا کر ایسے استنباط کرنے لگتے ہیں جو محدثین وفقہاء کے یکسر خلاف ہوتے ہیں۔ان سے گزارش ہے کہ اللہ کے لیے غور فرمائیں۔ وہ یا تو باسند صحیح امام ابوحنیفہ سے اس حدیث کا یہی مطلب ثابت کریں ورنہ محدثین وفقہاء کی مخالفت اور ہٹ دھرمی سے باز آئیں۔

③ ہر عموم سے مکمل عمومی حکم مراد لینا غلط ہے ،جس طرح ﴿**حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ**﴾ (تم پر مردار حرام قرار دیا گیا ہے) کے عموم کے باوجود احناف ہر مردار کو حرام نہیں

سمجھتے بلکہ مچھلی کو وہ بھی مردہ حالت میں حلال سمجھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح پیشاب نجس ہے اور اس کی وجہ سے عذابِ قبر برحق ہے، لیکن ہر پیشاب نجس نہیں بلکہ حلال جانوروں کا پیشاب احادیث کی روشنی میں پاک ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سے عذاب قبر بھی ہوتا ہو اور آپ ﷺ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت بھی دیں، اس سے عذاب قبر بھی ہوتا ہو اور نبی اکرم ﷺ اس کے لگنے کے باوجود نماز بھی جاری رکھیں اور اس سے عذاب قبر بھی ہوتا ہو اور اسلافِ امت وفقہائے کرام اس میں کوئی حرج بھی محسوس نہ کریں۔

دلیل نمبر ② : جناب صفدر صاحب مزید لکھتے ہیں:

''دارقطنی (۱/۴۷) میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «فَتَنَزَّهُوا مِنَ الْبَوْلِ، فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ» (تم پیشاب سے بچو کیونکہ عموماً عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے) امام دارقطنی کہتے ہیں: **إسناده لا بأس به**، امام سیوطی الجامع الصغیر (۱/۹۱) میں لکھتے ہیں: **صحيح ، وقال الشوكانيّ في النيل (۱/۱۰۷) : إسناده حسن** ۔'' (خزائن السنن از صفدر: ۱/۱۵۳، ۱۵٤)

تجزیہ : ① اس کی سند میں ابو یحییٰ القتات راوی ''ضعیف'' ہے۔ جمہور محدثین کرام نے اس پر جرح کی ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وضعّفه الجمهور .**

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف کہا ہے۔'' (مجمع الزوائد للهيثمي: ۱۰/۷٤)

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فجرّحه الأكثرون .**

''اس پر اکثر محدثین کرام نے جرح کی ہے۔'' (البدر المنير لابن الملقن: ۲/۳۲۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نقاد ائمہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔ (هدي الساري: ۳۹۰)

② پچھلی حدیث کے تحت ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس سے مراد حلال جانوروں کا پیشاب نہیں کیونکہ اس کو احادیثِ صحیحہ نے خاص کر دیا ہے۔

جاری ہے............